کشمیر مین ڈوگرون کی حکومت کا حصۂ اوّل یعنے
سوانح عمری

مہاراجہ گلاب سنگھ بہادر

بانی ریاست جمّون وکشمیر

جسمین
راجہ دہیان سنگھ صاحب۔ راجہ سوچیت سنگھ صاحب
راجہ ہیرا سنگھ صاحب اور مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب
کے فرزندان میان اودھم سنگھ صاحب۔ میان
سوہن سنگھ صاحب اور دربار لاہور کے عروج اور
زوال کے مفصل حالات درج ہین۔ اور جس کو
پنڈت سالگرام کول وکیل ہائیکورٹ ریاست جمّون
وکشمیر اور مالک مطبع سالگرام پریس نے مختلف
کتابون کی امداد سے تالیف کیا

سمت ۱۹۷۱ مین ۱۹۱۴ء

باہتمام کارپردازان مطبع سالگرام پریس کشمیر مین چھپی

$$\begin{array}{r}1994\\ 1914\\ \hline 80\end{array}$$

نویدن

میں کتاب ہذا کو اپنے رعایا پرور دہرم اوتار
فرشتہ خصلت ۔ فیاضِ زمان مہاراجہ
پرتاپ سنگھ صاحب بہادر دام اقبالہ
میجر جنرل ۔ جی ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ وغیرہ وغیرہ
والی ریاست جمّون و کشمیر کے نام نامی سے
معنون کرتا ہون

بندہ پنڈت سالگرام کول مولف

دیباچہ

میں نے اس کتاب کو دراصل انگریزی میں لکھکر سنہ ۱۹۱۰ع میں جناب دیوان بدری ناتھ صاحب پرایویٹ سکرٹیری سری حضور مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہ و ملکہ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ تاکہ وہ مناسب موقعہ پر سرکار والا مدار کی نذر کریں ۔ اوس کی جب جو کچھہ قدردانی ہوگی اطلاع دی جائیگی۔ لیکن اکثر یار دوستون اور کتاب مذکور کے شائقین کو زیادہ انتظار کی طاقت نہیں۔ اسلئے اون کے اصرار پر یہ اردو ترجمہ شائع کیا جاتا ہے۔

جن حاسد مورخون نے مہاراجہ گلاب سنگھہ کے حالات کے لکھنے میں بغض اور تعصب سے کام لیا ہے۔ گو اس کتاب میں اونکا جواب نہیں دیا گیا۔ لیکن جو سچے حالات تھے وہ راست راست بیان کردئے گئے ہیں علاوہ اسکے یہ کتاب اس بات کی ضرور تعلیم دیتی ہے کہ ایک ہندو مہاراجہ میں کیا کیا خوبیان ہونی چاہین۔ قومین کسطرح بنتی اور کسطرح بگڑجاتی ہیں۔ ایک اولوالعزم آدمی اپنی پتلی حالتمین ہمت مردانہ سے کسطرح عروج حاصل کرسکتا ہے۔ نمکحرامی اور نمکحلالی کا ملک گیری پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور ملک گیری کیواسطے کس کس قسم کی چالین اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ میں امید کرتا ہون کہ کتاب ہذا مقبول عام ہوگی۔

راقم بندہ سالگرام کول پنڈت مولف

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱	مہاراجہ گلاب سنگھ کا حسب و نسب	۱	۲۱	سردار اجیت سنگہ اور لہنا سنگہ سندہانوالیہ کا مارا جانا -	۸۳
۲	مہاراجہ گلاب سنگھ کی پہلی بہادری	۸	۲۲	راجہ سوچیت سنگہ کا مارا جانا	۸۷
۳	مہاراجہ گلاب سنگہ کا میان موٹا سے جدا ہونا	۹	۲۳	راجہ ہیرا سنگہ اور جلا پنڈت کا مارجانا	۹۷
۴	میان موٹا کا مارا جانا	۱۲	۲۴	میان سوہن سنگہ کا مارا جانا	۱۰۱
۵	راجہ سلطان خان کا قید ہونا	۱۴	۲۵	سردار جواہر سنگہ کی ہلاکت اور برچہ گردی	۱۰۴
۶	سدہنون کی بغاوت اور سرکوبی	۲۱	۲۶	خالصہ فوج کی انگریزی علاقہ پر لشکر کشی	۱۰۹
۷	میان ڈیڈو کی لوٹ مار اور ہلاکت	۲۷	۲۷	مہاراجہ گلاب سنگہ اور اونکے مخالف	۱۱۶
۸	ریاسی کی فتح	۳۴	۲۸	سکہون کی شکست اور مہاراجہ گلاب سنگہ کی مدار المہامی	۱۲۰
۹	ریاسی والون کی بغاوت	۳۷	۲۹	مہاراجہ گلاب سنگہ کو ملک کشمیر کا ملنا -	۱۲۶
۱۰	کشٹوارہ کی فتح	۳۹	۳۰	مہاراجہ گلاب سنگہ کا عہدنامہ	۱۳۲
۱۱	قلعہ سومرتھ کی فتح	۴۵	۳۱	لاہور دربار کی ابتر حالت	۱۳۶
۱۲	تبت خورد کی فتح	۴۷	۳۲	مہاراجہ گلاب سنگہ کی قابلیت اور حکومت	۱۳۸
۱۳	ڈوگرون کی مان تلائی مین تباہی	۵۰			
۱۴	تبت پر دیوان ہریچند کی لشکر کشی	۵۴			
۱۵	جنگ چمرہ وغیرہ اور اہل تبت کی شکست	۵۷			
۱۶	عہدنامہ تبت	۶۳			
۱۷	مہاراجہ گلاب سنگہ وغیرہ کا راجہ بنایا جانا	۶۴			
۱۸	مہاراجہ گلاب سنگہ کا عروج	۶۴			
۱۹	مہاراجہ رنجیت سنگہ کے بیٹے اور پوتون وغیرہ کا خاتمہ	۶۷			
۲۰	مہاراجہ شیر سنگہ اور راجہ دہیان سنگہ کی ہلاکت	۷۸			

مہاراجہ گلاب سنگھ کی خاندانی عظمت

مہاراجہ گلاب سنگھ جنہون نے موجودہ ریاست جمون اور کشمیر کی بنیاد سمت ۱۹۰۲ مین رکھی تھی۔ پنجاب کے اُن اراکین سلطنت میں سے شمار کیجاتے ہیں۔ جو انیسوین عیسوی صدی میں پالٹکس یا امورات ملکی کی معاملہ فہمی میں خاص طور پر نامور ہو گذرے ہیں وہ ایک اعلیٰ نظیر اس بات کی ہیں۔ کہ ایک شریف آدمی جو غریب ہو گیا ہو۔ اپنی خداداد لیاقت۔ علو العزم طبعیت۔ اور لگاتار کوششون اور جوہر مردانگی سے بڑہتے بڑہتے کسطرح ایک خودمختار مہاراجہ بن سکتا ہے۔ بعض روایتون سے جن کی تصدیق سنسکرت کی مختلف کتابون اور تواریخون سے ہوتی ہے۔ پایاجاتا ہے کہ کوہستان جمون کا یہ عظیم الشان مہاراجہ اُس سورج بنسی خاندان کی اولاد میں سے تھا۔ کہ جس نامور چھتری خاندان کے مورث اعلیٰ اجودہیاپوری کے مشہور و معروف مہاراجہ سری رامچندر مہاراج ہو گذرے ہیں۔

روایت یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں اس بزرگ خاندان میں سے دو بھائیون نے جنمیں سے ایک کا نام سرب دیو اور دوسرے کا نام دلیپ تھا۔ سفر کے عزم پر ہمت کی کمر کو چست باندھکر معہ نوکر چاکر اور دیگر وابستگان کے اجودہیاپوری کی رہایش سے قطع تعلق کیا۔ اور منزل بمنزل طے کرتے ہوئے سب سے پہلے ہردوار میں پہونچے۔ جہان اُنہون نے خوب تپسیا کی۔

کچھ عرصہ کے بعد دونون بھائیون نے اس جگہ سے بھی کوچ کیا اور ستلج کے گرد و نواح میں پہونچے۔ اور اس سرزمین کی آب و ہوا کچھ ایسی پسند آئی کہ آخرکار وہان ہی آباد ہو گئے یہان اولاد بھی پیدا ہوئی۔ جو خوب پہلی اور پہولی۔ یہانتک کہ بڑہتے بڑہتے ہر چہار طرف پہیل گئی۔ اور ان میں سے

ہی ایک بزرگوار نے آکر جمون کی بھی بنیاد رکھی +

مگر گلاب نامہ کے مطابق جو کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ بہادر سرگباشی کے مشہور و معروف اور نہایت ہردلعزیز دستور معظم دیوان کرپارام صاحب کی تصنیف کردہ کتاب ہے جسکو دیوان صاحب موصوف نے پوری تحقیقات کے بعد تعنیف کیا تھا اور جو اس نامور راجپوت خاندان کی ایک مستند تواریخ ہے - مہاراجہ گلاب سنگھ کے بزرگون کی ابتدائی کیفیت یہ ہے - کہ رامچندر جی مہاراج کی اولاد میں سے جس شخص نے جموال راجپوتون کا خاندان چلایا - اور زمانہ قدیم میں اجودھیا پوری کی رہایش سے بیزار ہوکر معہ عیال و اطفال اور نوکر و چاکرون کے اپنے وطن کو خیرباد کہکر راہ مسافرت اختیار کی - اُس کا نام اگنی گر تھا +

یہ علوالعزم بزرگ کلجوگ سے ایک ہزار برس پیشتر اپنے وطن سے نکلا - پھرتے پھرتے پہلے اجمیر میں پہونچا - پھر ہردوار کو گیا یہان کسیقدر عرصہ تک تپسیا کرتا رہا - پھر یہاں سے بھی طبیعت اوچاٹ ہوئی - اور پنجاب کے طرف رخ کر کے کوہستان سوالک میں جا ڈیرہ لگایا - (کوہستان سوالک کوہستان ہمالیہ کے اُن ابتدائی پہاڑون کے سلسلہ کا نام ہے - جو ہردوار سے شروع ہوکر ڈیرہ دُون - ناہن - کالکا - بلدسپور - کانگڑہ وغیرہ میں سے گذر کر جمون تک پہونچتا ہے) یہان سے اگنی گر کی نسل پھیلی اور ہر طرف اپنی قسمت آزمائی کرنے لگی حتےٰ کہ اُن میں سے کچھ افراد نے دریائے ستلج کو بھی عبور کیا - بلکہ پنجاب کے دیگر دریاؤن سے بھی پار ہوکر آہستہ آہستہ جمون کے کوہستان میں بھی آپہونچے اور جو لوگ وہان پہلے سے آباد تھے - اُن پر حکومت کرنے لگے +

اگنی گر کی آٹھوین پشت میں ایک راجہ پیدا ہوا - جس کا نام جامولوچن تھا - شہر جمون کا بسانیوالا یہی راجہ ہو گذرا ہے - اور جسطرح اس راجہ کو اس شہر کے آباد کرنیکا خیال گذرا - اوس کے متعلق ایک عجیب غریب وقوعہ بیان کیا جاتا ہے روایت ہے - کہ جامولوچن کو شکار کھیلنے کا بہت شوق تھا - ایک روز

اُس نے شکار کھیلتے ہوئے ایک ہرن پر تیر چلایا۔ ہرن زخمی تو ہو گیا لیکن اس پہاڑی پر جا چڑھا۔ جہاں اسوقت جموں آباد ہے۔ پیچھا کرتے ہوئے جامولوچن بھی اس پہاڑی پر جا چڑھا۔ ہرن تو خدا معلوم چونکہ بیابان بہرتے ہونگے یہ جا وہ جا کہیں جا چھپا۔ لیکن جامولوچن دیکھتا کیا ہے۔ کہ اس پہاڑی کی چوٹی پر ایک تالاب ہے جس میں کسیقدر برساتی پانی جمع ہے۔ اور اس تالاب کے کنارہ پر ایک جگہ ایک شیر اور دوسری جگہ ایک بکری پانی پی رہے ہیں۔ لیکن نہ بکری شیر سے ڈرتی ہے اور نہ شیر ہی اُس بکری کو اپنا شکار بنانا چاہتا ہے +

جامولوچن کو ان دونوں حیوانوں کے اس انوکھے نظارہ سے حیرت پیدا ہوئی شکار کا پیچھا چھوڑا۔ اور خود اس سوچ کا شکار ہوا کہ اس شیر نے ایسی بزدلی کیوں اختیار کی۔ کہ بکری کیطرف دیکھتا بھی نہیں۔ اور وہ بکری ایسی شیر دل کس وجہ سے ہو گئی۔ کہ شیر کی کچھ پرواہ ہی نہیں کرتی۔ آخر کار اس نے یہ رائے قایم کی۔ کہ دراصل یہ قطعہ زمین نہایت سخت ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی تاثیر ضرور موجود ہے کہ جس کی برکت سے شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پانی پیتے تھے۔ اب دل میں یہ خیال گذرا کہ اس پہاڑی پر جو کہ گرد و نواح کی زمین سے بلند بھی ہے۔ جنگلوں سے بھی محدود ہے۔ دشوار گذار بھی ہے۔ اور ایسی تاثیر بھی رکھتی ہے۔ کہ زبردست شیر زیردست بکری پر حملہ نہیں کر سکتا۔ اگر ایک شہر بسایا جائے۔ تو اُس میں بھی یہ خوبی ضرور ہوگی۔ کہ کوئی زبردست کسی زیردست پر حملہ نہ کر سکیگا۔ یہ خیال کر کے اور اچھا مہورت دیکھکر جامولوچن نے جموں کو اپنے نام سے آباد کیا۔ جو اُس دن سے اُس کی اولاد کا دار الحکومت چلا آتا ہے۔ جتنے کہ اُس کی نسل میں سے بعض راجے جو اس کی جانشینی کرنے آئے ہیں واقعی طور پر بہت من چلے۔ بہادر نیک نام اور ہمہ صفت موصوف ہو گذرے ہیں +

جامولوچن کے جانشین راجاوں میں سے ایک کا نام ہرب دیو تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ ایک کا نام رنجیت دیو۔ دوسرے کا نام کشتور دیو۔ تیسرے

نوٹ۔ جامولوچن سے مہاراجہ گلاب سنگھ تک جس قدر راجے ہو گذرے ہیں۔ اُنکا ذکر اس مختصر سی کتاب میں کرنا بہت مشکل ہے۔

کا نام صورت سنگھ اور چوتھے کا نام بلونت سنگھ تھا +

رنجیت دیو جو اپنے باپ کے بعد اُس کا جانشین ہوا۔ ایک نامی راجہ ہو گذرا ہے اور اُس کے دو بیٹے تھے۔ جن کے نام بجر دیو اور ویس سنگھ تھے۔ اُن میں سے رنجیت دیو کے بعد جموں کی گدی کو بجر دیو نے زینت بخشی +

بجر دیو لاولد تھا۔ اس واسطے اس کے بعد ویس سنگھ کا بیٹا جے سنگھ گدی پر بیٹھا +

دہرپ دیو کے دوسرے بیٹے کشور دیو کا صرف ایک بیٹا تھا جس کا نام لابھہ سنگھ تھا +

میان صورت سنگھ جو کہ دہرپ دیو کا تیسرا بیٹا تھا۔ تین لڑکوں کا باپ تھا جن میں سے ایک کو زور آور سنگھ۔ دوسرے کو میان موٹا اور تیسرے کو میان جہلا کہتے تھے۔ ان تینوں بھائیوں میں سے بڑے بھائی میان زور آور سنگھ کا ایک لڑکا میان کشورا سنگھ تھا جو پیچھے سے راجہ کشورا سنگھ کے نام سے نامزد ہوا ہے۔ اس راجہ کشورا سنگھ کے تین بیٹے تھے۔ ان میں سے مہاراجہ گلاب سنگھ جو بانی اس ریاست کا اور سب سے بڑا لڑکا تھا۔ ۲۹۔ کاتک سمت ۱۹۴۹ بکرمی کو پیدا ہوا۔ دوسرا بیٹا راجہ دہیان سنگھ سمت ۱۸۵۴ بکرمی میں تولد ہوا۔ اور تیسرا لڑکا راجہ سوچیت سنگھ سمت ۱۸۵۸ بکرمی میں تولد ہوا +

مہاراجہ گلاب سنگھ کے تین بیٹے تھے۔ جن میں سے بڑے کا نام میان اودہم سنگھ اور چھوٹے کا نام میان سوہن سنگھ (جو لاہور میں مارے گئے) تیسرے کا نام جو سب سے چھوٹے تھے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ تھا۔ جو راجہ سوچیت سنگھ کی متبنیٰ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے جانشین تھے +

مہاراجہ گلاب سنگھ کا شجرۂ نسب

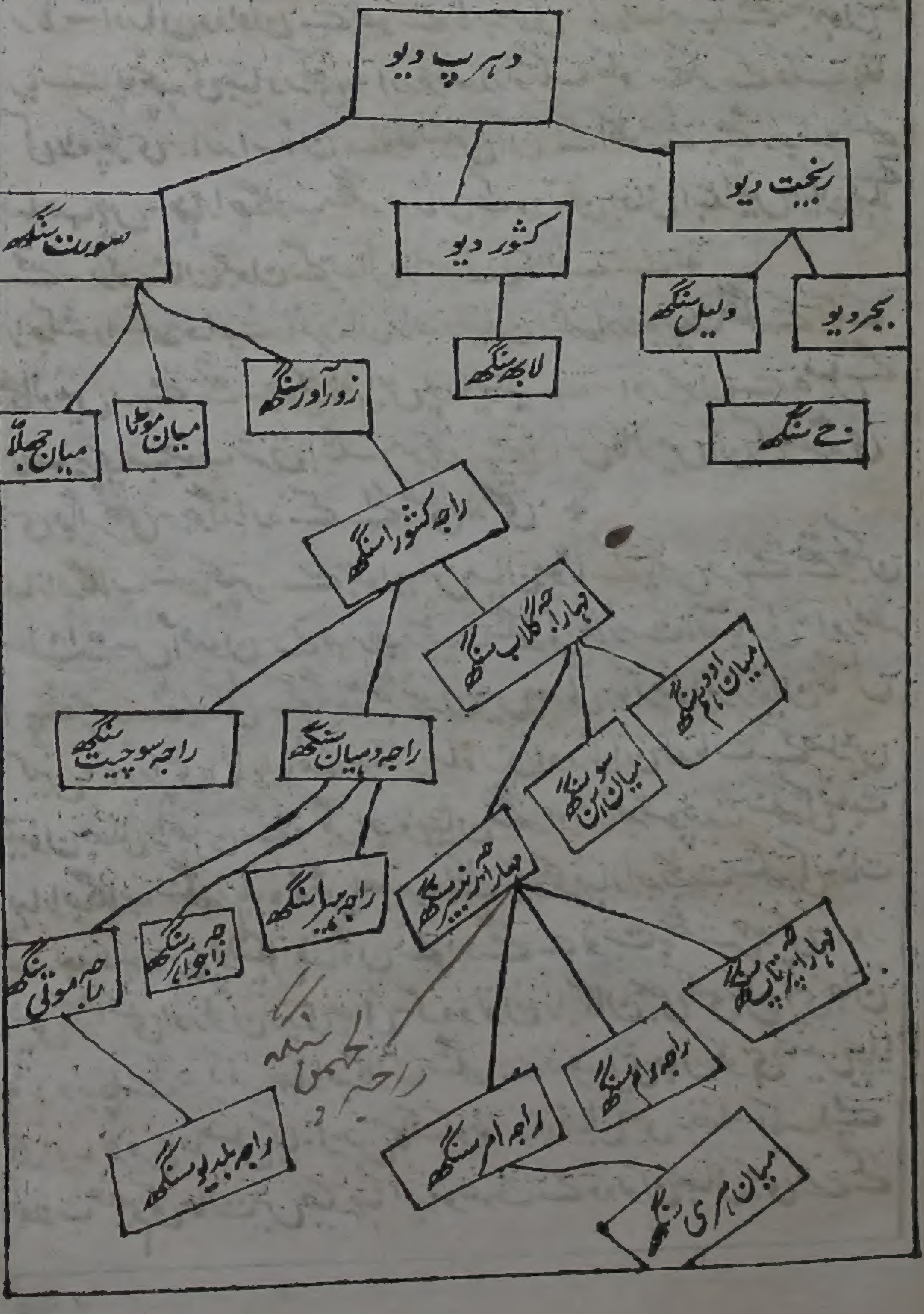
دہرپ دیو
رنجیت دیو
کشور دیو
سورت سنگھ
بجر دیو
دلیل سنگھ
لابھ سنگھ
زور آور سنگھ
میاں موٹا
میاں چھلا
جے سنگھ
راجہ کشورا سنگھ
مہاراجہ گلاب سنگھ
میاں ادہم سنگھ
راجہ سوچیت سنگھ
راجہ دھیان سنگھ
میاں سوہن سنگھ
مہاراجہ رنبیر سنگھ
راجہ ہیرا سنگھ
راجہ جواہر سنگھ
راجہ موتی سنگھ
مہاراجہ پرتاپ سنگھ
راجہ لچھمن سنگھ
راجہ رام سنگھ
راجہ امر سنگھ
راجہ بلدیو سنگھ
میاں ہری سنگھ

مہاراجہ دہیان سنگھ جو کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وزیر اعظم تھے۔ اُن کے بھی تین بیٹے تھے۔ بڑے کا نام راجہ ہیرا سنگھ جو لاہور میں سکھوں کے ہاتھ سے مارا گیا اس سے چھوٹا راجہ جواہر سنگھ تھا جو سرکار انگریزی کے حکم سے انبالہ میں قیام پذیر رہا۔ اور ان دونوں سے چھوٹے راجہ موتی سنگھ صاحب تھے۔ جنہوں نے ریاست پونچھ کی بنیاد رکھی۔ اور عرصہ دراز تک حکومت کر کے ملک بقا کی راہ پکڑی۔ اور اب اُن کے جانشین اُن کے اکلوتے بیٹے راجہ بلدیو سنگھ صاحب ہیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے دونوں بھائی ابتدا میں میاں کہلاتے تھے۔ جو کوہستان جموں کے جموال راجپوتوں کا لقب ہے +

راجہ کشورا سنگھ مع اپنے دو فرزندان راجہ دہیان سنگھ اور سوچیت سنگھ کے ایک گانو میں رہتے تھے۔ جس کا نام اہل پور دیولیہ ہے۔ اور جموں سے ۵ میل کے فاصلہ پر بجانب جنوب شرق ابتک موجود ہے۔ اس گانو میں اُن کی تھوڑی سی جاگیر تھی۔ جو گذارہ کے لئے مکتفی نہ تھی +

مہاراجہ گلاب سنگھ بچپن سے جموں میں میاں موٹا کے پاس رہتے تھے لیکن ۱۸۰۹ء میں اُنہوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت اختیار کی۔ اور مع اپنے چھوٹے بھائی کے گہوڑ چڑہوں میں بھرتی ہو کر متواتر ترقیاں حاصل کیں۔ اور اپنی اعلیٰ لیاقت جانباز بہادری اور نمایاں خدمات کے صلہ میں تینوں بھائی راجہ بن گئے۔ مگر راجہ دہیان سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کی نسبت مہاراجہ گلاب سنگھ زیادہ خوش نصیب نکلے۔ کیونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد لاہور میں پولیٹیکل فسادوں کے اٹھنے سے نوبت بہ شمشیر پہونچی۔ اور ایسی کشاکشی اور خون ریزی ہوئی۔ کہ دونوں راجگان بھی کسی طرح اپنی جان عزیز کو نہ بچا سکے۔ لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ نے صرف اپنی جان کو ہی نہیں بچایا بلکہ ایسا عروج حاصل کیا۔ کہ جس کا کسیکو خواب و خیال بھی نہ تھا۔ ایک ایسے انقلاب عظیم کی حالت میں جبکہ مہاراجہ موصوف کے دونوں بھائی بھی مارے گئے

دو لڑکون نے بھی شہادت کی شربت پی لی۔ ایک بھتیجا بھی شہید ہوا۔ بلکہ اس گھر پھونک تماشہ کی آگ نے اور نہایت قیمتی اور واجب التعظیم اہلکارون کے سر پر بھی پانی پھیر دیا۔ مہاراجہ موصوف ہر ایک خطرہ سے صاف صاف بچ نکلے۔ اور اس جلتی آگ میں سے جس کے غضبناک شعلون نے کل پنجاب کو خاک میں ملا دیا۔ اُس کے جسم کو ذرہ بھی آنچ نہ لگنا صاف ظاہر کرتا ہے۔ کہ مہاراجہ موصوف کس دل اور دماغ کے آدمی تھے ۔

حق تو یہ ہے کہ یہ اُن کا ہی کام تھا۔ کہ ہر ایک خطرہ کو جہانتک ممکن ہوا۔ باتون ہی باتون میں ٹالا۔ اور جب کسی دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنیکی ضرورت پڑی۔ تو اُس کے وہ دانت کھٹے کئے کہ کیا کہنا ہے۔ کبھی زبان جادو بیان کی بلاغت سے کام لیا جاتا تھا۔ کہیں روپیہ کی تلوار سے دشمن کا پیٹ چاک کیا جاتا تھا۔ کیونکہ استادون نے کہا ہے۔ کہ دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ۔ کبھی تقریر خوش تدبیر سے وہ کام لیا۔ کہ جس کے آگے شمشیر زنی اور زرپاشی بھی ہیچ تھی۔ کسیوقت آپ ایک فریق کے معاون اور دوسرے فریق کے مخالف ہو جاتے تھے۔ اور کبھی اگر مصلحت وقت دیکھتے تھے۔ تو دونون فریقون سے کنارہ کشی اختیار کر کے تماشہ دیکھتے تھے۔ غرضیکہ مہاراجہ صاحب موصوف جیسے صاحب اقبال تھے۔ ویسے ہی صاحب تدبیر بھی تھے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کی پہلی بہادری

سمت ۱۸۵۸ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۵۱ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اور شہرون اور قصبون کی دار وگیر کرتے ہوئے جمون پر بھی چڑھائی کی۔ لیکن ڈوگرون نے ایسا سخت مقابلہ کیا۔ کہ سوائے واپس لوٹ جانے کے اور کوئی بات نہ بن پڑی +

سمت ۱۸۶۴ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۰۷ء میں اُس کو پھر جمون کی فتح کا شوق ہوا۔ اور کیتبعد سکھون کی فوج نے زیر کمان دیوان چند مصر اور سردار حکمان سنگھ چمنی پھر جمون پر حملہ کیا۔ اور مونہہ کی کھائی۔ اس وقت مہاراجہ گلاب سنگھ صرف ۱۶ برس کے لڑکے تھے۔ تمام ڈوگرے میان موٹا کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔ اور مقابلہ کے لئے گمٹ کا دروازہ پسند کیا۔ جہان میان موٹا معہ اپنی راجپوت بہادرون کے چلا گیا۔ اُدہر سے سکھ بھی آگئے۔ اور جنگ شروع ہوگیا جس میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنی مردانگی کے خوب جوہر دکھائے۔ تلوار چلنے کی ہی دیر تھی۔ کہ اُس نے بیخوف ہوکر آگے بڑہ بڑہ کر حملے کرنے شروع کر دے۔ اور تلوار سونتکر اس تیزی اور تندی سے سکھون پر جا پڑا کہ جسطرح کوئی شیر گلہ جاکر بکریون اور بھیڑون کے گلے پر جا پڑتا ہے۔ جس طرف للکار کے وہ حملہ کرتا تھا۔ اُس طرف کے سکھ بھاگ نکلتے تھے۔ اور میدان خالی ہو جاتا تھا۔ تین چار سکھون کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے دیکھتے ہی دیکھتے مولی کیطرح کتر ڈالا۔ اب کس کی طاقت تھی۔ کہ آگے کو بڑہتا یا ایسے تند حملہ آور پر حملہ کرتا۔ سکھون کے چھکے چھوٹ گئے۔ کل فوج میں گبراہٹ پھیل گئی۔ تمام سکھون کی نظر اس ہونہار لڑکے کیطرف تھی۔ دشمن بھی اُسکی بہادری کی داد دینے لگے +

اس جنگ میں ڈوگرے اس طرح سے جان توڑ کر لڑے۔ کہ سکھ لوگ حیران ہو گئے۔ ادہر میان موٹا نے کچھ روپیہ بھی خرچ کیا۔ اور بوجہ ان دونون باتون

کے جلد صلح ہوگئی۔ مگر دیوان چند مصر جو خود ایک لاثانی بہادر سردار تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کی دلاوری دیکھکر یہان تک خوش ہوا کہ لاہور میں پہونچکر اُس نے اُس ہونہار اور جانباز راجپوت لڑکے کی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس از حد تعریف کی، اور کہا کہ ڈوگرہ فوج میں اُس کو ایک ایسا راجپوت لڑکا نظر آیا کہ جو اُس کے مونہہ چڑھتا تھا۔ اُس کو میدان اجل میں دے مارتا تھا +

مہاراجہ گلاب سنگھ کا میان موٹا سے جدا ہونا

مہاراجہ گلاب سنگھ بچپن سے ہی اچھے سوار تھے۔ اور زین سواری کے بہت مشتاق تھے لیکن جب سوار ہو جاتے تھے۔ گھوڑے کو ایسا سرپٹ دوڑاتے تھے۔ کہ پھر پست و بلند کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے +

اس جنگ کو جو اُن کی شہرت کا باعث ہوا۔ ابھی بہت کچھ عرصہ نہ گذرا تھا کہ ایک دن وہ سوار ہوئے جمون کی زمین پتھریلی تو تھی ہی۔ گھوڑے کو اس قدر دوڑایا۔ کہ وہ ادھموا ہو کر لنگڑانے لگا۔ ایسی حرکتین انہون نے اس سے پیشتر بھی بارہا کی تہیں۔ اور میان موٹا چشم پوشی کرتا رہا۔ لیکن اب کی دفعہ اُس نے کچھ سخت و سست کہا۔ بس پھر کیا تھا۔ نوجوان مہاراجہ جوش میں آگئے۔ اور فوراً بستر ا بوریا باندھکر سفر کی ایسی تیاری کر دی۔ کہ میان موٹا کے پاس نہ رہنے کی قسم کھالی +

یہہ تو مہاراجہ گلاب سنگھ کو معلوم ہی تھا۔ کہ شیر پنجاب اُس کی تعریف سُن چکے ہیں۔ اس واسطے سیدھا لاہور کا ہی رخ کیا۔ اور فقیر عزیز الدین سے جا ملے۔ اور آمد و رفت کا سلسلہ جیسا کہ امیدوارون کا قاعدہ ہے چندے جاری رکھا مگر یہ فقیر جو کہ دراصل ایک بڑا امیر کبیر تھا۔ اور جس کے دروازون پر اس قسم کے امیدوارون کا کوئی شمار ہی نہ تھا۔ اس خستہ حال ڈوگرہ راجپوت کی

کیا پرواہ کرنا ✤

دو تین ماہ تک تو مہاراجہ گلاب سنگھ فقیر عزیز الدین کے پاس آمد و رفت کرتے رہے۔ لیکن جب مطلب براری کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو لاچار آنا جانا چھوڑ دیا۔ اسی ضمن میں اُس کو معلوم ہوا۔ کہ شاہ شجاع کابل میں فوج کی بھرتی کر رہا ہے۔ پھر کیا تھا۔ فوراً کابل جانے کی ہی تیاری کر دی۔ اور معہ چند ہمراہیون کے روانہ ہو پڑے۔ دریائے اٹک کے کنارے تک تو سب بخیریت تمام خوشیان مناتے پہونچے۔ لیکن اب آگے کون جاوے۔ ساتھی سرکش ہو گئے۔ آگے ساتھ دینے سے اُنہون نے صاف انکار کر دیا۔ کوئی بولا کابل مسلمانون کا ملک ہے۔ کسی نے کہا کہ اٹک سے پار جانا شاسترون میں منع ہے۔ ایسی حالت میں مہاراجہ گلاب سنگھ کو مجبور ہو کر واپس لوٹنا پڑا۔ اور جہلم میں پہونچکر قلعہ ملول کے سپاہیون میں بھرتی ہو گئے۔ یہ قلعہ جہلم کے بالکل قریب ہے۔ مگر یہان کا آب و دانہ بھی چندان نصیب نہ تھا۔ اس واسطے اس قلعہ کے سپاہون کے ساتھ کچھ ایسی ان بن ہو گئی۔ کہ یہان کی ملازمت ترک کر کے بھمبر کے راجہ سلطان خان کے پاس پہونچے۔ اُس نے انکو قلعہ کوٹلی میں بھرتی کر دیا ✤

ادھر اب میان موٹا کی کیفیت سُنی۔ اُس نے مہاراجہ موصوف کو بچپن سے پالا تھا اور گو مہاراجہ گلاب سنگھ اپنے اس فرشتہ خصلت بزرگوار سے روٹھ کر دیس بدیس سفر کر رہا تھا۔ لیکن میان موٹا کی پدرانہ شفقت بدستور جوش زن تھی۔ جب سے مہاراجہ گلاب سنگھ اس کے سایہ سے نکلکر آفتاب کی طرح مسافرانہ حرکت میں تھا۔ تب سے اُس کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے کوچ اور مقام کی مفصل خبرین پہونچا کرتی تھیں۔ حتی کہ جب وہ کوٹلی میں پہونچا۔ تو میان موٹا نے ایک میان کو جس کا نام میان ہوشیارا تھا۔ اُس کے پاس بھیجا۔ کہ روٹھے ہوئے مہاراجہ کو منا لاوے۔ میان ہوشیارا نے کوٹلی میں پہونچکر جوشیلے مہاراجہ کو بہت کچھ سمجھایا اور اُس کے سمجھانے سے اُن کی طبیعت پر بہت کچھ اثر بھی ہوا۔ مگر مہاراجہ موصوف

ایسے ہٹ دہرمی تھے- کہ جمون جانے سے قطعی انکار کر دیا- البتہ اپنے باپ کے پاس اسماعیل پور دیوابیہ میں چلے گئے- جہان کچھہ دنون کے بعد اون کی اور راجہ دہیان سنگھہ کی شادیان ہو گئیں +

میان موٹا کا مارا جانا اور اُس کے قاتلون سے مہاراجہ موصوف کا انتقام لینا

شادی ہونیکے بعد پھر مہاراجہ گلاب سنگھہ کو ملازمت کا شوق پیدا ہوا- اور راجہ دہیان سنگھہ نے بھی اوسکا ساتھہ دینا چاہا- اب کی دفعہ کا سفر ایک اندہا دہند کوشش نہ تھی بلکہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہر ایک مناسب تدبیر وغیرہ سے کام لیا گیا تھا- حتی کہ ان کے باپ نے اپنے گانو کے ساہوکار دولو شاہ سے ایک معقول رقم لیکر دونون بیٹون کو دو گھوڑے معہ زین وغیرہ سامان کے خرید دیے- بلکہ میان موٹا سے بھی ایک سفارشی چٹھی بنام دیوان چند مصر لکھا دی- اب کیا تھا- دونون بھائی مونچھون کو تاو دیتے ہوئے رشتہ دارون سے رخصت ہوئے- اور بڑی آن بان کے ساتھہ لاہور پہونچے- جہان وہ دیوانچند مصر کی خدمت میں حاضر ہوئے +

دیوان چند مصر کو یہ تو معلوم تھا- کہ بہادر گلاب سنگھہ کس دل اور گروہ کا آدمی تھا- لیکن میان موٹا کی سفارشی چٹھی نے سونے پہ اور بھی سوہاگے کا کام دیا اسلئے پہلی ملاقات میں ہی وہ دونون بھائیون کے ساتھہ ایسی مہربانی سے پیش آیا- کہ خاطر توضع کی رسم بجا لانے اور ڈیرہ کرانیکے بعد اُس نے اُن کو مہاراجہ رنجیت سنگھہ کے حضور میں پیش کرا کر دونون بھائیون کو دربار میں حاضر باش رہنے کی اجازت دلا دی- اور گذارہ کیواسطے فی کس تین تین روپیہ فی یوم بھی مقرر کرا دے-

اب دونون بھائیون کے نصیب جاگے۔ تھوڑے سے عرصہ کی آمد و رفت اور حاضر باشی سے اُنھون نے دربار کی نشست و برخاست اور تمام طور طریقے اس حد تک سیکھ لئے۔ کہ وہ پکے درباری بن گئے۔

سنہ ۱۸۶۹ مطابق سنہ ۱۸۱۲ء میں وہ میان سنگھ کے رسالہ میں داخل کی گئے جہان مہاراجہ گلاب سنگھ کی تنخواہ فی یوم چار روپیہ اور راجہ دہیان سنگھ کے پانچ روپیہ مقرر ہوئے۔ راجہ دہیان سنگھ کو ایک روپیہ زیادہ اسواسطے دیا گیا۔ کہ وہ ڈیل ڈول اور قد و قامت میں بہ نسبت اپنے بڑے بھائی کے زیادہ بانکا تھا۔ حتی کہ اُس نے اپنی مختصر حاضر باشی کے ایام میں اپنے پسندیدہ اطوار سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اس حد تک خوش کر لیا تھا۔ کہ اُس کا چھوٹا بھائی راجہ سوچیت سنگھ بھی سنہ ۱۸۱۲ء میں طلب ہو کر ملازم کیا گیا۔ جو اُن دنون صرف بارہ برس کی ہی عمر کا تھا +

اب ذرا میان موٹا کی کیفیت سُنی

یہ عقلمند اور بہادر میان رانی بہندرال کے متوفی خاوند کا وزیر تھا۔ رانی مذکور جوش جوانی اور غرور حکومت سے دیوانی ہو کر چاہتی تھی۔ کہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر من ثانی موجین اُڑا دے۔ جس سے اُس کی مختصر سی حکومت اور ننگ و ناموس کے خراب ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس واسطے اس دیرینہ سال اور تجربہ کار وزیر کی پند و نصایح سے عاجز آ کر اُس کی جان کی لاگو ہو گئی۔ اور میان موٹا کے قتل کی ایک ایسی گہری سازش کی۔ کہ جب تک وہ بیچارہ مارا نہ گیا۔ تب تک اُسکو اس سازش کا بالکل کچھ خواب و خیال بھی نہ تھا +

جن دنون مہاراجہ گلاب سنگھ اور راجہ دہیان سنگھ لاہور میں جا کر ملازم ہوئے انہی دنون میں ایک دن میان موٹا حسب معمول شام کیوقت محلات کو جا رہا تھا۔ اور جیسے ہی وہ دیہوڑی میں داخل ہوا۔ ویسے ہی دو نرائنیا خاندان کے راجپوتون

نے جو چھپے ہوئے بیٹھے تھے۔ فوراً حملہ کیا۔ اور بیچارے بیجز اجل رسیدہ میاں موٹا کو تہ تیغ بیدریغ کیا۔ ان قاتلون میں سے ایک کا نام میاں سونہرو اور دوسرے کا نام میاں ترڈو تھا ⁘

یہ وقوعہ سمہ ۱۸۶۹ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۱۲ء کا ہے۔ جس کے بعد میاں موٹا کے یہ دونون قاتل لاہور کو چلے گئے۔ اور سنہ ۱۸۱۳ء میں ایک اور رسالہ میں ملازم ہو گئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ لاہور میں آکر سونہرو نے اپنا نام گوکل اور ترڈو نے دامودر سنگھ رکھا۔ اور یہ نام کی تبدیلی شاید اُنہون نے مہاراجہ گلاب سنگھ اور اس کے بھائیون کے خوف سے کی۔

میاں موٹا کے قتل ہو جانیکی کیفیت مہاراجہ گلاب سنگھ بھی سُن چکا تھا۔ اور اُسکو یہ بھی معلوم تھا۔ کہ مقتول مذکور کے قاتلون کو اُن کی موت نے بہ بہانہ ملازمت لاہور میں جا پہونچا رکھا ہے۔ اس لئے اب اُسکو اپنے اُس مقتول شدہ بزرگ کے خون کا انتقام لینے کی سوجھی۔ اور ایک خون کے بدلے دونون قاتلون کے خون کا پیاسا ہوا۔ یہ دونون قاتل ایک مقررہ وقت پر روزمرہ بہاٹی دروازہ کو جانے کے عادی تھے۔ اور جسوقت یہ اجل رسیدہ دونون میاں اُس راستہ سے گذرا کرتے تھے۔ انتقام گیر مہاراجہ کو بھی اُس کی ٹھیک خبر مل گئی۔ بس اب دیر ہی کیا تھی۔ ایک دن مہاراجہ گلاب سنگھ اور دہیان سنگھ مسلح ہو کر اپنے گھوڑون پر سوار ہو کے۔ اور بہاٹی دروازہ کو چل پڑے۔ اتفاق سے ادہر سے میاں موٹا کے یہ دونون قاتل بھی آ نکلے۔ اور بھاٹی دروازہ کے باہر دوچار ہو گئے۔ بلکہ آپسمیں ان چارون سوارون کی صاحب سلامت (جے دیوا) بھی ہوئی۔ جس کے بعد ہر دو قاتل دروازہ کیطرف چلے گئے۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ اور دہیان سنگھ بھی مصلحتاً اپنے خون آلودہ ارادہ کو پوشیدہ رکھنے کیواسطے چند قدم آگے کو بڑھ گئے۔ جب ہر دو فریق کے درمیان اس طرح سے چند قدمون کا فاصلہ پڑ گیا۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے چپکے سے

نوٹ۔ میاں موٹا کی سمادہ اب تک جمون میں اندرون ڈیوڑہی میں موجود ہے۔

اپنے گھوڑے کو لوٹا کر ہر دو قاتلون پر وار کر دیا۔ دامودر سنگھ کا کام تو وہان ہی تمام ہو گیا۔ گوکل سنگھ بھی کسیقدر زخمی ہوا۔ لیکن بھاگ نکلا۔ اور کہیں روپوش ہو گیا۔ اس قتل سے شہر لاہور میں سخت سنسنی پھیل گئی بلکہ مقتول جس رسالہ میں ملازم تھا۔ اس رسالہ کے سوار انتقام لینے پر تیار ہوئے مگر مہاراجہ گلاب سنگھ اور راجہ دہیان سنگھ موقعہ واردات سے رفوچکر ہو چکے تھے۔ آخرکار یہ معاملہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے کانون تک پہونچا۔ اُسنے مصر دیوان چند کی سفارش سے صرف یہ خون معاف ہی نہیں فرمایا بلکہ یہان تک مہربان ہوا کہ یہ ارتکاب جرم ایک اعلیٰ قسم کی بہادری کا کارنامہ خیال ہو کر ہر ایک بھائی کو اس دن سے آٹھ آٹھ روپیہ یومیہ ملنے لگے +

راجہ سلطان کا قید ہونا

اکھنور اور مناور کے مابین جسقدر سرزمین ہے۔ یہ تمام علاقہ سلطان خان کے ماتحت تھا۔ اسکی سالانہ آمدنی اُسکو ۹ لاکھ روپیہ ہوتی تھی۔ یہ علاقہ چبال کا ایک حصہ ہے چبال کی آبادی زیادہ چبون کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرزمین کا نام چبال یعنے (چبہ آلہ) چبون کا گھر پڑ گیا۔ چبہ لوگ کانگڑہ کے چندربنسی راجاؤن کی اولاد میں سے ہیں اور بہت بہادر ہیں۔ انکی تاریخ الگ لکھی جائیگی۔ یہان صرف اس قدر لکھنا کافی ہوگا۔ کہ چبون کا اخیر راجہ سلطان خان ہو گذرا ہے جسکا صدر مقام بھمبر تھا + سمت ۱۸۶۷ مطابق سنہ ۱۸۱۰ء میں دیوان چند مصر نے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک نامی گرامی سردار اور اکثر ملکون کا فاتح تھا۔ ایک لشکر عظیم لیکر اس بہادر راجہ پر بھی چڑھائی کی راجہ سلطان خان نے سخت مقابلہ کیا۔ مگر ایک کا علاج دو۔ سکھون کی فوج بہت زیادہ تھی۔ اس واسطے دیوان چند مصر نے اوسکا کچھ علاقہ چھین کر اُس کے قریبی رشتہ دار راجہ اسماعیل خان کے سپرد کیا + سلطان خان بقول اسکے کہ دست نارسا یا رسا۔ اس موقعہ پر اپنی

کمزوری اور بے بسی دیکھکر چپ ہورہا۔ اور کچھ عرصہ تک اُس کمی کو جو اُسکی فوج میں بوجہ اس جنگ کے ہوئی تھی۔ درست کرتا رہا۔ پھر قلیل عرصہ تک اُس کے پروبال یہانتک نکل آئے۔ کہ سمونت ۱۸۷ میں اُس نے پھر جنگ شروع کرکے راجہ اسماعیل خان کو مارڈالا۔ اور جو ملک ہاتھ میں سے نکل گیا تھا۔ اس پر پھر قابض ہوگیا ✤

سکھ لوگ ہمیشہ بہانہ کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ اسماعیل خان کے مارے جانے نے انکو سلطان خان پر چڑھائی کرنیکا پھر موقعہ دیا۔ بہادرون کی چاندی ہوئی۔ تیاری جنگ اور انتظام گیری کے احکام جاری ہوئے۔ سکھون کی فوج کے ایک ٹڈی دل نے کوچ کیا ادھر سلطان خان نے بھی مقابلہ کے لئے خوب تیاری کر رکھی تھی۔ اُس نے اپنی ساری فوج کو ایک چھوٹی سی پہاڑی پر جمع کیا۔ خالصہ جی کی فوج بھمبر میں رفتہ رفتہ داخل ہوئی۔ راستہ میں کسی نے روک ٹوک نہیں کی۔ مگر جب فوج مذکور اس پہاڑی کے نزدیک پہونچی۔ چبالیون نے مقابلہ کیا۔ دونون طرف سے سخت کشت وخون ہوا۔ اور بوجہ عمدہ موقعہ ہونے کے سکھون نے تین متواتر شکستین کھاکر یہان تک پست حوصلہ ہوے۔ کہ سوائے پس پا ہونیکے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا ✤

ایک تواریخ میں لکھا ہے۔ کہ اس موقعہ پر سکھ لوگ آخرکار راجہ سلطان خان کو چالبازی سے گرفتار کرکے لاہور میں لیگئے۔ اور وہان سے انہون نے اُسکو جموّن میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس بھیجدیا۔ لیکن یہ سراسر غلط معلوم ہوتا ہے۔ البتہ قیاس یہ چاہتا ہے۔ کہ جب سکھون کو سلطان خان نے متواتر تین شکستین دین۔ تو واپس جانے سے پیشتر انہون نے اُس کے ساتھ بطور ظاہرداری کے کسی قسم کی صلح ضرور کرلی تھی۔ اور چند سال کے بعد اُن کی فوج بہ ارادہ فتح کشمیر بھمبر میں داخل ہوئی۔ اس موقعہ پر سلطان خان نے سکھون کو اپنے ملک میں سے راستہ دینے سے

انکار نہیں کیا۔ بلکہ بظاہر اُن کا دوست اور مددگار بنگیا۔ اور اندر خانہ فوج مذکور کی تباہی کے خیال میں پڑ گیا۔ سکھوں کو یہ تو معلوم تھا ہی نہیں۔ کہ روانگی کشمیر کیواسطے کونسا راستہ عمدہ ہے اور کونسا راستہ خراب ہے۔ اس لئے سلطان خان نے سکھوں کی اس بیخبری سے فائدہ اُٹھا کر اُن کا رہنما یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ انکا گمراہ کرنے والا بن گیا۔ اور اُن کی فوج کو ایک ایسی خطرناک پگڈنڈی کے راستہ لیگیا۔ کہ جس کے خاتمہ پر ایک بڑا بھاری پہاڑ کا ڈنڈا تھا اور اس ڈنڈے کے نیچے بہت عمیق پانی تھا۔ دن کے غروب ہونے پر سلطان خان نے اس اجل رسیدہ فوج کا مقام اسی ونڈے کے متصل کرایا۔ اس جگہ کا نام چھچھیر ہے۔ جب رات پڑ گئی۔ تو بکریوں کے سینگوں کے ساتھ چب چراغ باندھکر اور اُون کو روشن کر کے فوج مذکور کے ڈیرے کیطرف ہانک دیا اور چند آدمیوں نے کچھ بندوقوں کے فیر بھی سکھوں پر کئے۔ سکھوں نے جب اسطرح بندوقوں کی آواز بھی سُنی۔ اور ہزاروں مشعلیں بھی جلتی دیکھیں۔ تو اُن کو یقین ہوا کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ اور اس خیال سے ایسے گھبرائے۔ کہ بجائے مقابلہ کرنے کے جان بچانے کیلئے سب کے سب اُس ونڈے کی طرف بھاگ نکلے اور بوجہ بیخبری راستہ کے اور شب کی تاریکی کے اُس ڈنڈے سے گر کر خاصی تعداد تو پانی میں ڈوب مری۔ اور بیشمار سکھ اُن چیل کے درختوں میں جا چھپے۔ جو اوس ڈنڈے پر کثرت سے موجود تھے۔ گویا اسطرح سکھوں کی تمام فوج سوائے کسی کے سا بغیر جنگ کرنے کے خود بخود تباہ ہوگئی۔ سکھوں نے اپنی فوج کی اس تباہی کا حال کہیں بھی درج نہیں کیا ہے۔ لیکن چبال میں اس بربادی کی واقفیت چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی ہے۔ بلکہ اکثر اشخاص کا عقیدہ ہے۔ کہ چھچھیر کے جس مقام پر سکھ لوگ اس طرح دغا کے ساتھ تباہ کئے گئے تھے۔ وہاں سے ہر جمعرات کو اب بھی مارو مارو کی آواز آتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ اکثر اشخاص کو اس موقعہ سے ٹوٹے ہوئے جنگی ہتھیار بھی ہاتھ آجاتے ہیں ؞

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس بربادی کے بعد سکھوں نے پھر کوئی چڑھائی راجہ سلطان خان

پر نہیں کی۔ بلکہ اُن کو یقین آگیا کہ جب تک اس دغاباز راجہ کے ساتھ دغا نکیا جائیگا۔ تب تک اُس کا قابو آنا مشکل ہے۔ اس لئے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس کی تباہی کیواسطے مہاراجہ گلاب سنگھ کو ایما کیا جنہوں نے راجہ سلطان خان کیساتھ برائے بہانہ دوستی لگائی۔ اور اپنی برائے نام دوستی کا اُس کو یہاں تک یقین دلایا۔ کہ ایک مشورہ کے بہانہ سے ایک دن اُس کو جمون میں طلب کیا۔ چونکہ راجہ سلطان خان کا اقبال اوسکا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ اُس نے جمون کی روانگی کی تیاری کر دی ــ اور گو اُس کے وزیر برہان خان نے جو کہ نہایت دانا معاملہ فہم اور دور اندیش آدمی تھا۔ اُس کو بہت سمجھایا۔ اور اس خطرناک ارادہ سے باز آنیکی فہمایش کی۔ مگر اس بدنصیب راجہ کی کچھ ایسی عقل ماری گئی۔ کہ اپنے وفادار وزیر کی ایک بھی نہ مانی۔ اور جمون کو روانہ ہوگیا۔ جب سلطان خان جمون کی حدود میں داخل ہوا۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھ اُس کی پیشوائی کے واسطے تشریف لیگئے۔ بوقت ملاقات نہایت عزت سے پیش آئے۔ اور اپنے ساتھ اُس کو فیل سوار کرا کر بہانہ سیر کرانیکے قلعہ باہو میں لیگئے۔ جہاں اُس کے قید بھگتنے کا سب انتظام پہلے سے ہی ہو چکا تھا۔ چنانچہ جسطرح سے سکھون کی فوج کو اُس نے عالم بیخبری مین چھچھ پیر میں تباہ کیا تھا۔ اوسی طرح سے وہ خود بھی حالت بیخبری میں ہی قلعہ باہو میں قید ہوگیا۔ بلکہ یہان اوس کی آنکھون کی روشنی بھی اُس سے رخصت ہوئی۔ سلطان خان کی گرفتاری کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے اُسکے وزیر سے دریافت کیا۔ کہ اگر تم نمک حلال تھے۔ تو راجہ سلطان خان کو جمون آنے سے کیون نہیں روکا۔ اُس نے اپنی جیب میں سے ایک تحریر نکالکر دی۔ جسپر سلطان خان کے دستخط تھے۔ اور جس سے صاف ثابت ہوتا تھا۔ کہ سلطان خان برخلاف مشورہ اپنے وزیر کے جمون آیا تھا۔ اس تحریر کو دیکھکر مہاراجہ گلاب سنگھ برہان خان پر از حد خوش ہوا۔ اور بااظہار اپنی مہربانی اور قدردانی کے برہان خان کو پانسو روپیہ کی جاگیر بخشی۔ جو جاگیر ہنوز اُنکے

جانشینون کو اتبک ملتی ہے۔ برہان خان ساکن کہوری علاقہ چبال تھا۔ اور لال خان اور اوسکا پوتا گھوڑ چڑہون میں ملازم ہے۔ برہان خان جمون میں بھی سلطان خان کے ساتھہ آیا تھا۔ اُس نے سلطان خان کو بوقت روانگی از گجرات اور بوقت داخلہ جمون یعنے دو دفعہ منع کیا تھا۔ سلطان خان کے اسطرح قید ہو جانے سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بہت خوشی ہوئی۔ اور بصلہ اس خدمت کے اُس نے سلطان خان کے علاقہ میں سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو چالیس ہزار روپیہ کی جاگیر دی۔ مگر گلاب نامہ میں لکھا ہے۔ کہ یہ جاگیر راجہ دہیان سنگھ کو دی گئی تھی۔ جب راجہ سلطان خان اسطرح سے قلعہ باہو میں قید ہوا۔ تو اُس کے لڑکے نے قلعہ باہو میں سُرنگ لگا کر اُسکو بھگا لیجانے کے خیال سے قلعہ مذکور سے نکال لیا۔ لیکن سلطان خان پھر پکڑا گیا۔ اور بجائے قلعہ باہو کے قلعہ سلال میں رکھا گیا یہان ایک اور شخص راے ڈہلا ساکن ریاسی بھی قید تھا اسکے بیٹے نے اُس کے نکال لیجانیکے واسطے اس قلعہ میں سُرنگ لگائی۔ اور اخیر پر قیدیون میں شیرینی تقسیم کرنے کے بہانہ قلعہ میں داخل ہو کر اُس کمرے کو دیکھ آیا۔ جسمیں اُس کا باپ قید تھا۔ اور سُرنگ اُس کمرے میں پہونچائی۔

ان دنون میں فیض طلب خان ولد سلطان خان نے اپنے مددگارون کی مدد سے جنمیں علاوہ چبون کے جرال بھی شامل تھے۔ اپنے باپ کے آزاد کرانے کیواسطے پونی بہارک میں جنگ کیا۔ لیکن جرال لوگ جاگیرین لیکر اُس سے جدا ہو گئے۔ اور فیض طلب خان مغلوب ہو کر مفرور ہوا۔ جس کے بعد سلطان خان قلعہ سلال سے قلعہ گجیت میں لیجایا گیا۔ جہان آخر کار ایک عرصہ کے بعد اُسکی روح نے اُسکے جسم عنصری سے رہائی حاصل کی۔ اور قبر اُسکی چندر کوٹ میں اتبک موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان خان نے اپنی موت سے پیشتر ایک کھتری کے ساتھہ کچھہ تعلق پیدا کر کے اُسکو وصیت کر رکھی تھی۔ کہ اوسکی قبر پختہ بنائی جائے کھتری مذکور نے اُس وصیت کے پورا کرنیکواسطے مشہور کیا۔

کہ اوس کو سلطان خان خواب میں آتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ اُسکی یہ بھی قبر پروبار کہا جاوے۔ اُس نے یہ بھی مشہور کیا۔ کہ اُس نے دو دفعہ یہ خواب دیکھا تھا۔ پھر قبر مذکور پر اول اُس نے چراغ رکھنا شروع کیا۔ اور ازاں بعد تختہ قبر بنانیکے لئے مسالحہ جمع کیا۔ آخر کار راز افشا ہو گیا۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے وزیر بنوں کو ہدایت کی۔ کہ بعد تحقیقات کے قبر کا بنایا جانا روکا جائے۔ چنانچہ وزیر بنون نے تحقیقات کے بعد رپورٹ کی۔ اور کھتری مذکور پر آٹھ سو روپیہ جرمانہ ہوا۔

سلطان خان کی گرفتاری کے بعد سکھون نے راجہ اغر خان اور عظمت اللہ خان والیان رجوری پر حملہ کرنے شروع کردیے معلوم ہوتا ہی کہ راجہ اغر خان اور عظمت اللہ خان کو سکھون نے ماتحت بنا کر اُن کا کل یا جزوی علاقہ اُن کو واپس دیدیا۔ اور ہر دو راجگان لاہور میں آمد و رفت کرتے رہے۔ جس کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کو کشمیر کی فتح کا خیال پیدا ہوا۔ اور راجہ عظمت اللہ خان نے لاہور میں امداد دیکر اور کشمیر کو فتح کرا دینے کا اقرار کیا۔ لیکن جب سکھون کی فوج بہ ارادہ فتح کشمیر رجوری کے قریب پہونچی۔ تو اغر خان اور عظمت اللہ خان کے ایک دور اندیش کشمیری مشیر نے اُن کو مدد دینے سے روکا اور کہا۔ کہ اگر سکھون کی عملداری کشمیر میں ہو جائیگی۔ تو پھر تم کو نہ کشمیر کے چاول نصیب ہونگے نہ یہان آرام کے ساتھ بیٹھ سکو گے۔ بلکہ سکھ لوگ ہمیشہ اسی راستے سے چلکر تمہاری چھاتی پر مونگ دلا کرینگے۔ کشمیری مذکور کی اس تقریر سے ہر دو راجاؤن کی آنکھین کھلیں۔ بجائے مدد دینے کے سکھون کی فوج کو گمراہ کر کے تباہ کیا۔ جس پر سکھون نے انتقام گیری کے لئے رجوری پر حملہ کیا۔ اور راجہ اغر خان اور عظمت اللہ خان نے جب دیکھا کہ نہ تو وہ سکھون کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ نہ اُن کے ہاتھ سے اپنے جان و مال اور عزت کو بچا سکتے ہیں۔ تو لاچار ہو کر اپنے ملک کو خیر باد کہکر شمال کیطرف چلے گئے۔ اور شمال کے اُن پہاڑون

میں جبکہ ہنوز سکھون کو کوئی علم ہی نہ تھا۔ جا چھپے۔ اور وہان سے انہون نے سکھون پر چھاپے مارنے شروع کر دیے۔ اور ایسی لوٹ مار مچائی کہ سکھون کا ناک میں دم آگیا۔ جہان جو سکھ نظر آتا تھا۔ اُس کو وہ مار کر اُس کا مال و اسباب لوٹ لیجاتے تھے۔ سکھون نے ان ہر دو راجاؤن کے ملک پر قبضہ تو آسانی سے کر لیا تھا۔ لیکن حکومت کا قایم رکھنا بہت مشکل ہو گیا۔ نہ کوئی کاردار کارداری کرنیکی جرات لاتا تھا۔ نہ مالیہ ہی وصول ہوتا تھا کیونکہ جو سکھ مفصلات میں کسی کام کیواسطے جاتا تھا۔ اوسکا کام ہی تمام ہو جاتا تھا +

ایسی حالت میں سکھون نے راجہ عظمت اللہ خان جسکو بعض مورخین نے غلطی سے عزیز خان لکھا ہے۔ اور اغرخان کی گرفتاری کیواسطے بھی بہت منصوبے کیے۔ لیکن کوئی تدبیر موافق نہ پڑتی۔ اور دونون راجاؤن کے حوصلہ بہت بڑھ گئے۔ بلکہ اگر انکی مار دھاڑ چندے اسیطرح جاری رہتی تو ضرور تھا کہ وہ سکھون سے اپنا ملک لاٹھی کے زور سے واپس لے لیتے +

مہاراجہ رنجیت سنگھ کو پہلے تو یقین تھا کہ اُس کے کاردار ان دونون راجاؤن کو کسی نہ کسی حکمت سے ضرور گرفتار کر لینگے۔ لیکن جب اُس نے دیکھا۔ کہ کاردار ان مذکور بالکل عاجز آگئے ہیں۔ اور بدعملی اور لوٹ مار دن بدن زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ تو لاچار ہو کر راجہ اغرخان اور عزیز خان کی گرفتاری کا حکم بھی مہاراجہ گلاب سنگھ کو ہی لکھا +

یہان دیر کیا تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس حکم کے وصول ہوتے ہی امرگڈہ میں جا ڈیرہ لگایا۔ اور اس مقام سے گرد و نواح کے زمیندارون کے ساتھ خط و کتابت اور نامہ پیغام شروع کر کے اپنا میل ملاپ بڑھایا اور ملکی حالات سے واقفیت حاصل کر کے ایسا منصوبہ چلایا۔ کہ تھوڑے سے دنون کے بعد ہی زبردست خان والی نار نے اغرخان کو گرفتار کر کے قاسم بیگ کی حراست میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس مقام امرگڈہ

میں پہونچایا۔ چند روز کے بعد ایک اور زمیندار نے راجہ عظمت اللہ خان کو بھی گرفتار کر کے امرگڈہ میں بھیجدیا +

انہی دنون کی بات ہے۔ کہ ایک دن مہاراجہ گلاب سنگھ ان سرکش راجاؤن کی گرفتاری کے منصوبے باندھتا باندھتا جب تھنہ میں داخل ہوا۔ تو یہان ایک فقیر کے تکیہ پر جسکا نام خیر اللہ شاہ تھا پہونچا۔ اور اُس سے ملاقات کی۔ فقیر بہت مہربانی سے پیش آیا۔ بلکہ چند خوبانیان جو اُس کے پاس پڑی ہوئی تھیں۔ کمال مہربانی سے اوٹھاکر مہاراجہ گلاب سنگھ کو اپنے ہاتھ سے دیدیں۔ اور ہنستے ہنستے اپنی زبان سے یہ کلمہ فرمایا۔ کہ اے گلاب سنگھ اگر یہ تمام پہاڑ جو تمہارے چارون طرف ہیں۔ تمکو مل جائیں۔ تو اس فقیر کو کیا دلاوگے +

مہاراجہ موصوف نے جسکو اس بات کا نہ کوئی خواب و خیال تھا۔ اور نہ اس حد تک ترقی پانے کی کوئی امید تھی۔ جواب دیا کہ اگر تمہاری بات درست ہوجائے۔ تو جسقدر اراضی اسوقت تمہارے قبضہ میں ہے۔ اوسکا لگان معاف کردیا جائیگا۔ اور پشت در پشت وہ اراضی تمہاری اولاد کی جاگیر سمجھی جائیگی +

خیر اللہ شاہ نے مہاراجہ گلاب سنگھ سے اوسیوقت ایک اقرارنامہ لکھوالیا۔ اور کہا کہ ایسا وقت آنیوالا ہے۔ کہ جب تم اس تمام کوہستانی ملک کے خودمختار مہاراجہ بن جاوگے۔ چنانچہ پیچھے سے ایسا ہی ہوا۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا۔ حتی کہ وہ معافی اور اقرارنامہ اس فقیر کے وارثون کے پاس ابتک موجود ہے +

سکھون کی بغاوت اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی لشکرکشی

راجہ سلطان خان کی گرفتاری کے بعد سکھون نے جسقدر ملک اس گرد و نواح میں فتح کیا۔ اوسکا انتظام سردار لال سنگھ کے سپرد ہوا جو پیچھے راجہ بنگیا۔

لیکن سردار لال سنگھ سے کچھ تو بوجہ جبر الون اور چبون کی متواتر سرکشیون کے اور کچھ بوجہ اس امر کے کہ سردار لال سنگھ گو راجہ دہیان سنگھ کا سبز کردہ تھا۔ لیکن پیچھے سے اُس کی راجہ دہیان سنگھ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ سخت مخالفت ہوگئی تھی۔ بوجہ جسکے مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اُس کی حکومت چلنے نہ دی اس لئے اُس ملک کا انتظام نہ ہوسکا اور اُس کی بدنظمی دیکھکر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس علاقہ کا انتظام راجہ دہیان سنگھ کے سپرد کیا۔ اور راجہ صاحب مذکور نے اس علاقہ کی حکومت دیوان کشن گوپال کے سپرد کی۔ جو مہاراجہ گلاب سنگھ کا ایک اہلکار تھا۔ دیوان کشن گوپال کی تبدیلی کے بعد اُسکی جگہ دیوان لباع رائے مقرر ہوا۔ اور اُس کا مشیر پہونچہ کا ایک زمیندار بنایا گیا۔ جسکا نام شماسودہن تھا۔ یہ شخص راجہ صاحب موصوف کی مونچھہ کا بال بنا ہوا تھا۔ اُن کی دانست میں ایک نہایت شریف دور اندیش اور نمک حلال آدمی تھا + لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ شماسودہن کو اچھا آدمی نہیں جانتے تھے۔ نہ انہون نے اُس کے تقرر سے اپنا اتفاق راے ظاہر کیا تھا۔ بلکہ وہ اس تقرر کو ایک خطرناک کارروائی تصور فرماتے تھے۔ چنانچہ پیچھے سے سچ مچ ایسا ہی ثابت ہوا +

ابتدا میں تو شمس الدین سودہن نے اپنا اعتبار بخوبی جمایا۔ اور ہر ایک کارروائی میں خوب نام حاصل کیا۔ مگر جون جون اُسکی طاقت بڑھتی گئی۔ تون تون اوسکے دل میں ایک قسم کی خودسری اپنی جگہ کرتی گئی۔ اور آہستہ آہستہ نوبت یہان تک پہونچی۔ کہ اُس نے ایک گہری سازش کی بنیاد رکھکر فتنہ و فساد اور بغاوتین کرانی شروع کردین۔ اور آخر کار ایسا بیخود۔ بیخوف اور خودسر ہوگیا۔ کہ اُس نے کل علاقہ کی حکومت برملا طور پر اپنے ہاتھ میں لیکر مستعینہ قلعہ گبر فوج کو بھی ملک سے نکالدینا چاہا۔ حتی کہ بیشمار جنگ و جدل اور کشت و خون کے بعد اُس نے قریباً تمام قلعون کو قلعہ گبر سپاہیون سے چھوڑوا کر ان پر

اپنا قبضہ کر لیا۔ اور قلعہ گیر فوجون کو مار بھگایا۔ ہندون سے اس ظالم اظلم کو از حد نفرت تھی۔ بلکہ اُن کا یہانتک تشنہ وخون تھا۔ کہ جو ہندو اُس کے ہتھے چڑھا اُس کو بڑے عذابون سے قتل کیا۔ اکثر ہندون کو اُس نے بھوکھا پیاسا رکھا۔ اور قتل کرنے سے پیشتر اُن کو اس نے وہ گوشت کھلایا۔ کہ جسکی ہندو لوگ قسم کھاتے ہیں۔ یا جس جانور کی وہ بہت تعظیم کرتے ہیں۔ اُس نے اُن کو اُسی کا گوشت کھلایا۔ اس دیو لعین کو عورتون یا بچون پر بھی رحم نہ آتا تھا۔ جو ہندو عورت یا بچہ اُس کے قابو آیا۔ اُس کو بھی کمال بے رحمی کے ساتھ تہ تیغ بیدریغ کیا ✣

حتی کہ اس شیطان مجسم بنی نوع کے دشمن نے حاملہ عورتون کے پیٹ چاک کرا کر اُن کے جنین بھی مروا ڈالے۔ حق تو یہ ہے۔ کہ شمس الدین لعین نے کشت وخون اور مذہبی تعصب میں نادر شاہ۔ محمود شاہ۔ سکندر بت شکن اور اورنگ زیب کو بھی مات کر ڈالا۔ اس کے شور وشر سے تمام خلقت کانپ اوٹھی۔ تمام علاقہ میں سخت ہل چل اور خونریزی کا بازار گرم ہوا۔ اور ہر ایک کوچہ و بازار اور شہر ودہ میں کشت وخون جاری کر دیا۔ خصوصاً کوٹلی کے علاقہ میں سخت دہاڑے مارنے لگا ✣

شمسا نے تمام قلعون کو تو فتح کر لیا تھا۔ لیکن پونچھ کا قلعہ اُس سے سر نہ ہو سکا جسکا باعث یہ تھا۔ کہ اس قلعہ کا افسر ایک نہایت سوربیر (بہادر) مستقل مزاج اور مرنے اور مارنے والا شخص تھا۔ اس بہادر راجپوت کا نام میان بشنا تھا ✣

آخر کار بکرے کی مان کب تک خیر مناتی۔ دیوان دلباغ رائے اور میان بشنا اپنی جانب سے راجہ دہیان اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس شمسا بدذات کی بدحرکتون۔ شرارتون اور بدمعاشون کی رپورٹین متواتر اور لگاتار بھیجتے رہے تھے۔ جن میں مفصل حالات درج تھے۔ ان حالات کو سُنکر

بالاحکام کی عقل چکرائی اور سخت حیرت ہوئی ڈوگرہ قوم میں بیطرح جوش پھیلا۔ اب دیر ہی کیا تھی۔ میان اودہم سنگھ اوس کی سرکوبی کے لئے ایک مہم تیار کرنے کے لئے کوٹلی میں بھیجے گئے۔ چند یوم کے بعد میان لابھ سنگھ اور میان نور آور سنگھ کہلوریہ بھی اُس کے پاس پہونچے۔ اور عرصہ قلیل میں فوج میں نئی بھرتی ہو کر شمسا کے برخلاف اس مہم نے چڑھائی شروع کر دی بقول کرنیل رنگ خان صاحب جن کے بزرگ ان جنگون میں شامل تھے جنگون کی ابتدا سرسادہ واقعہ چھبہ پہاڑی متصل ہرجب ہکی باندے کے ہوئی۔ اور شمس نے یہان میان بسنا کو تین متواتر شکستین دین۔ اس کے بعد کوٹلی سے مہم پہونچی ÷

اور شمسا کو یقین ہو گیا۔ کہ اُسکے بُرے دن آ گئے۔ اور اب عنقریب اوسکا خاتمہ ہونیوالا ہے۔ تاہم مرتا کیا نہیں کرتا۔ اُس نے ایک دزد دلبر کی طرح چالبازیان کر کے گیدڑ بھبکیان دینی شروع کیں۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کو ایک عرضی کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا۔ کہ جو مہم آ رہی ہے۔ اُسکو واپسی کا حکم دیا جائے۔ اور یقین رکھا جائے۔ کہ اگر فوج مذکور واپس ہو جائیگی۔ تو اُسکو کسی قسم کا نقصان نہیں پہونچایا جائیگا۔ بصورت دیگر کسی تنگ راستہ میں روک کر تباہ کیجائیگی۔ شمسا نے یہ دہمکی آمیز رعایت تو اچھی کی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ اُس کی اس رعایت سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ یا یون کہا جائے۔ تو بہتر ہے۔ کہ شمسا مذکور کی اس گیدڑ دہمکی کا مہاراجہ صاحب کی طبیعت پر کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ مہم مذکور نے سرعت کے ساعت کوچ در مقام کرتے ہوئے دریائے جہلم کو سوائے کسی قسم کی مزاحمت کے عبور کر لیا۔ اور تمام علاقہ میں سے گشت کرتے ہوئے دہیرا دہیر قلعہ منگ میں داخل ہو لی۔ بلکہ مہم مذکور کے قلعہ منگ میں داخل ہونے پر مہاراجہ صاحب بھی بذات خاص تشریف لا کر داخل مہم ہوئے۔

اور مفسدہ پرداز باغیون کی گرفتاری کے لئے کمال مستعدی سے کوشش کرنے لگے ✤

اکثر اشخاص دھمکائے گئے۔ بعضون کو انعام دیا گیا۔ کہیں روپیہ خرچ کیا گیا۔ بعضون کو مختلف اُمیدین دلائی گئیں۔ لیکن فایدہ کچھہ بھی نہوا۔ کیونکہ شمسا معہ دیگر باغیون کے کہیں ایسا جا چھپا کہ پتہ لگانا مشکل ہوگیا ✤

آخرکار سب سے پہلے سبز علی اور ملہی سودھن گرفتار ہوئے۔ یہ دونون اجل رسیدہ شمسا کے یار غار اور راس بغاوت کے مشیر اعظم تھے ✤

جیسی سخت ان دونون نے ملک میں خرابی پیدا کی تھی۔ ویسی ہی سخت ان کو سزا بھی ملی۔ دونون کا چمڑا اوتارا گیا۔ اور اُن کے چمڑے بہوسہ سے پُر کر کے درختون سے لٹکائے گئے۔ تاکہ اورونکو عبرت ہو ✤

جس وقت ملہی کا چمڑا اترتے اُترتے گلے تک اُتر گیا۔ تو اُس نے التجا کی۔ کہ اُس کی عورت اور بچے طلب ہو کر اُس کو اُن کی اخیر ملاقات کرائی جائے۔ لیکن ایسے اشخاص سے جنکی بدولت بیشمار بیقصور زن و بچون نے اخیر ملاقات ہونے کے فرشتہ سے کی تھی رحم کون کرتا۔ جب ملہی کی یہ درخواست نامنظور ہوئی۔ تب اُس نے دوسری خواہش یہ ظاہر کی۔ کہ اُس کے زن و بچون کی جان بخشی کی جائے اور اونکو پناہ دیجائے۔ اُس کی یہ التجا قبول ہوئی ✤

جب شمس الدین سودھن کا کوئی پتہ نہ چلا۔ تو اخیر تدبیر یہ عمل میں آئی۔ کہ کل فوج دو حصون میں منقسم ہوئی۔ ایک حصہ کو لیکر خود مہاراجہ صاحب اور میان اودہم سنگھ صاحب تحصیل باغ مین مصروف تلاش ہوئے۔ دوسرے حصہ نے زیر کمان میان زور آور سنگھ کلہوریہ اور میان لابہ سنگھ کل پسماندہ علاقہ چھان مارا۔ اور واپس آنے پر میان زور آور سنگھ نے یہ رپورٹ کی کہ شمس الدین کو راجہ شیر باز خان پدر راجہ شیر انداز خان والئے سدہنوتیہ نے پناہ دے رکھی ہے ✤

اس خبر کے موصول ہونے پر مہاراجہ گلاب سنگھ نے ایک حکم راجہ شیر باز خان کے

پاس تحریری طور پر بدین مضمون بھیجا۔ کہ شمس الدین سودھن کو گرفتار کر کے فوراً بھیجدو۔ ورنہ تم پر لشکر کشی کیجائیگی +

اس حکم کے پہونچنے کی ہی دیر تھی۔ کہ اُس راجہ کا پیشاب خطا ہوا۔ اور ڈرتے ڈرتے یہ درخواست کی۔ کہ حکم کی تعمیل بسر و چشم کیجائیگی۔ لیکن ایک فوج کا دستہ میری امداد کے لئے بھیجا جائے +

مہاراجہ گلاب سنگھ نے اُس کی درخواست منظور کی۔ اور کسیقدر فوج اُسکے پاس بھیجدی۔ جس کی امداد سے راجہ شیرباز خان نے آخرکار شمس الدین سودھن کو معہ اُس کے بھتیجے راجولی کے ایک دن گرفتار کیا۔ اور ہر دونوں مجرمان بدضمیر کے سر کاٹ کر مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس بھیجکر اُس کے عذاب سے خلاصی پائی۔ شمس الدین کے اس طرح مارے جانے کے بعد ملک میں امن ہو گیا۔ اور تمام شرارتوں کا خاتمہ ہوا +

میاں ڈیڈو کی لوٹ مار اور اُس کا مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ سے انجام کار

میاں ڈیڈو ایک بڑے بہادر راجپوت کا نام تھا۔ جس کو زمانہ حال کے زن و بچے بھی علاقہ جموں میں جانتے ہیں۔ یہ جموں کے گرد و نواح میں موضع جگٹی میں رہتا تھا سموت ۱۸۶۷ مطابق سنہ ۱۸۱۰ء تک اس شخص سے کسی قسم کی خودسری ظاہر نہ ہوئی۔ مگر تھوڑے دنوں کے بعد ہی اُس کے بگڑنے کا یہ باعث ہوا۔ کہ سنہ ۱۸۱۱ء مطابق سموت ۱۸۶۸ میں ترکٹا دیوی کے پہاڑ سے اُس نے ایک باز پکڑا۔ اور حکم یہ تھا۔ کہ جو شخص باز پکڑے وہ اُس باز کو جموں میں لاکر پیش کرے +

جیت سنگھ جو جموں کا اخیر راجہ تھا۔ اُس کے فوت ہو جانیکے بعد جموں میں سموت ۱۸۶۶ مطابق سنہ ۱۸۰۹ء سے سکھوں کا تسلط ہو گیا تھا۔ اور جسوقت

یہ باز پکڑا گیا تھا۔ اُس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کی جانب سے جمون میں جمعدار خوشحال سنگھ کے کاردار حکومت کرتے تھے +

میان ڈیڈو کے پاس جمون سے بارہا بدین حکم طلبی آئی کہ جو باز تم نے پکڑا ہے اُس کو پیش کرو۔ لیکن اس باز میں خدا معلوم ایسا کونسا سرخاب کا پر لگا ہوا تھا۔ کہ میان ڈیڈو نے ان طلبیون کے مطلق پرواہ نہ کی +

جب جمون کے سکھ سردارون نے دیکھا۔ کہ ڈیڈو اُن کے احکامون کی کوئی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ لاچار وہ بھی سکھاشاہی پر اُتر آئے یعنی ایکدن ۱۲ جوانون کی گارڈ اسکو معہ اُسکے باز کے گرفتار کر لانیکے واسطے روانہ کی گئی +

گارڈ مذکور جب ڈیڈو کے گھر پہونچی۔ ڈیڈو اُس وقت گھر میں تھا۔ اور سوائے کسی قسم کا اندیشہ کرنے کے گارڈ والون کے پاس برابر چلا آیا۔ جب پر گارڈ والون نے اُس کو حکم دیا۔ کہ خیریت منظور ہے۔ تو جو باز پکڑا ہے۔ اُس کو چلکر جمون میں پیش کرو۔ ڈیڈو نے پہلے تو اُن کے حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کیا لیکن پیچھے سے کچھ سوچ ساچ کر اون کے ساتھ چل پڑنے پر رضامند ہوا +

اب میان ڈیڈو مہمانوازی کرنے لگے۔ آٹا۔ چاول۔ دال وغیرہ نذر کئے اور بہت عاجزی سے عرض کی۔ کہ رسد موجود ہے۔ کھانا پکا کر نوش کیجئے جب تک آپ لوگ کھانا کھا کر فارغ ہونگے۔ میں بھی سفر کی تیاری خاطر خواہ کر لونگا۔ سکھ لوگ اُس کی مہمانوازی سے خوش ہوئے۔ اور ہتھیار اُتار کر کھانا پکانے میں مصروف ہوئے +

ڈیڈو نے اس وقفہ میں اپنی عورت اور باز کو جنگل کے طرف روانہ کر دیا۔ اور اسطرح سے فارغ ہو کر جسوقت اچھا موقع دیکھا۔ تلوار سونت کر سکھون پر جا پڑا۔ اور انکو وہ دال چاول کھلائے۔ کہ ۱۲۔ سکھ تو کھیت رہے اور تیروان سکھ جان بچا کر بھاگے۔ میان ڈیڈو اور باز کے یہ بد خبر لیکر جمون پہونچا +

اس واردات کے بعد میان ڈیڈو جنگل میں اپنی عورت کی پاس چلا گیا اور

بدوش ہو کر جنگل بہ جنگل پھرنے لگا۔ بلکہ اُس دن سے ڈاکو بن کر لوٹ مار کرنی شروع کردی۔ لیکن میان ڈیڈو وطنی لوگونکو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتا تھا۔ البتہ سکھون کو اپنے ملک کا غاصب سمجھتا تھا۔ اسی خیال سے وہ اُنکا جانی دشمن تھا۔ اور اُن کو ہر ایک قسم کا نقصان پہونچاتا تھا۔ عجب نہیں ہے کہ اوسنے بارسے کے نہ دینے کا بہانہ کر کے سکھون کے برخلاف سرکشی بھی اسی خیال سے کی ہو۔ کہ ملک کو غاصبون سے خلاصی حاصل ہو +

گارڈ مذکورہ بالا کے مارے جانے کے بعد سکھ لوگ اُس کے برخلاف مسلسل طور پر اپنی فوج کے دستے بھیجتے رہے۔ لیکن میان ڈیڈو کسی سکھ کے قابو نہ آیا بلکہ جو شخص فرداً یا جماعتاً اُس کے دنبال آیا۔ اوس کی شمشیر خونخوار کا شکار ہوا + میان ڈیڈو موقع تاڑ کر ایسا حملہ کرتا تھا کہ جو اُس کے شکار کھیلنے کیواسطے آتا تھا۔ اُلٹا اُس کا شکار بن جاتا تھا۔ بلکہ جو کچھ اُس کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ مال و متاع بھی میان ڈیڈو کے قبضہ میں آجاتا تھا +

میان ڈیڈو کی ان بہادریون سے اُس کی ایسی شہرت ہوئی۔ کہ گرد و نواح کے ڈاکو بھی اس سے آملے۔ اس طرح سے وہ ڈاکوؤن کی ایک زبردست جماعت کا سردار بن گیا۔ اور تھوڑے دنون میں ہی اُس کی وہ دھاک بندھگئی۔ کہ سکھون نے راستہ چلنا چھوڑ دیا۔ اور اب میان ڈیڈو ہیں۔ اور اُن کی ڈاکون کی جماعت جو روز روشن جمون پر حملہ کرنے لگ گئے۔ بارہا اُس نے جمون کو لوٹا اور آگ لگائی۔ ایک دفعہ وہ اپنی ٹولی کے ساتھ سرشام جمون میں آپہنچا۔ منڈی میں روٹی پکا کر خوب مزہ سے کھائی۔ اور رات کو آرام بھی وہیں کیا۔ لیکن جونہی دن چڑھا۔ لوٹ مار کرتا ہوا رفوچکر ہوا۔ اور دو ہزار سکھ جو کہ جمون میں حفاظت کے واسطے مقرر تھے۔ سب کے سب دُم دبا کر ایسے بھاگ گئے۔ کہ جس کے جہان سینگ سمائے وہان چھپ رہے +

جہان ڈیڈو مناسب سمجھتا۔ تن تنہا جاتا۔ اور سکھون کو قتل کر آتا۔ جہان

ضرورت پڑتی ایک جماعت کثیر کے ساتھ جانا - اور لوٹ مچانا - لیکن اپنے کسی وطنی کو بالکل کچھ بھی نہیں کہتا تھا - بلکہ ملکیا لوگ اُس پر یہان تک مہربان تھے - کہ جہان اُس کو رات پڑ جاتی - وہ اُسکو کھانا بھی کھلاتے تھے - اور پناہ بھی دیتے تھے +

مختصر یہ ہے - کہ میان ڈیڈو کے ان کارنامون سے سکھون کی حکومت سخت کمزور ہو گئی - نہ کوئی سکھ بیرونجات میں ڈر کے مارے معاملہ وصول کرنے جاتا تھا - نہ ملک میں سے معاملہ وصول ہوتا تھا - بلکہ خاص جمون کی یہ حالت تھی - کہ رات کیوقت کوئی سکھ باہر نہیں نکلتا تھا - سنہ ۱۸۱۲ء مطابق سموت ۱۸۶۹ مین ایکدفعہ سکھون نے اُس کے ساتھ موافقی کا وعدہ کیا - جس پر اوس نے اطاعت قبول کی - لیکن کچھ دنون کے بعد اُس کو پھر کچھ شک ہوا - جس پر اُس نے پاخانہ جانیکا بہانہ کیا - اور دو پہرہ والون کے ساتھ جنگل میں داخل ہوا - جہان اُس نے اپنا لوٹا ایک پہرہ والے کے سر پر اس زور سے دے مارا - کہ وہ بیچارہ تو وہان ہی گر پڑا - اور دوسرا پہرہ والا اپنے ساتھی کی یہ گت دیکھکر ڈیڈو کا پہرہ چھوڑ کر اپنی جان کا پہرہ دینے کے لئے بھاگ نکلا - جس کے بعد میان ڈیڈو پھر باغی ہو کر فرار ہو گیا - ان متواتر حملون میں میان ڈیڈو نے کم سے کم تین سو سکھ لوگ خاص اپنے ہاتھ سے مارے - اور جو خونریزی اُس کے ساتھیون نے کی - وہ اس سے علاوہ تھی +

اُس نے صرف سکھون کی حکومت کو ہی کمزور نہیں کیا - بلکہ کشمیر سے لاہور تک جو ڈاک کا سلسلہ جاری تھا - اُس کو بھی قطع کر دیا - ایک دفعہ اُس نے کشمیری مزدورون سے وہ سیبون کی ڈالیان چھین لین - جو کشمیر سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے واسطے لاہور کو جا رہی تھیں - میان ڈیڈو نے ڈالیون میں سے سیب نکالکر اُن میں گندگی بھر دی - اور مزدورون کو حکم دیا - کہ یہ ڈالیان اب سیدھے جا کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے آگے رکھدو +

میان ڈیڈو جسطرح سکھون کو جمون میں چنے چبا رہا تھا - اُس کی ایسی کرتوت

کی متواتر خبروں سے لاہور میں سخت پریشانی ظاہر ہوئی۔ جسطرح وہاں بڑے بڑے مہموں کی انجام دہی کے واسطے بڑے بڑے مشورے ہوتے تھے۔ لاہور کے دربار میں اُسی طرح ڈیڈو کا گرفتار کرنا بھی ایک بڑی بھاری مہم قرار پائی +

ایسا کوئی دن نہ تھا۔ کہ جس روز مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنے اراکین سلطنت کے ساتھ اس کے متعلق خاص مشورہ نہ کرتا تھا۔ مگر مشکل یہ تھی۔ کہ مطلب براری کبھی مشورے سے نہیں ہوتی تھی۔ نہ ڈیڈو کسی دھمکی کی پرواہ کرتا تھا نہ کسی وعدہ پر بھروسا کرتا تھا۔ بلکہ اُس کو خالصہ حکومت کے قول و فعل پر کوئی اعتبار ہی نہیں تھا۔ اس واسطے لاہور دربار تدبیریں کرتا کرتا عاجز آگیا۔ اور جسقدر ڈیڈو کی طاقت بڑھتی جاتی تھی۔ اوسیقدر دربار لاہور کی مشکلات اور تشویش میں بھی زیادتی ہوتی جاتی تھی +

خصوصاً جب سیب والے مزدوروں نے لاہور میں پہونچکر گندگی کی ڈالیاں پیش کیں۔ اس وقوعہ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طبیعت پر ایک نہایت غمناک اور دل کے جلانیوالا صدمہ پہونچایا۔ ڈیڈو کی گستاخی سے دل کباب ہو گیا۔ دربار میں جسقدر سردار موجود تھے۔ اپنی بے بسی سے اُس حد تک شرمندہ ہوئے۔ کہ اپنے ہی پسینے میں غرق ہو گئے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیتابی کی تو کوئی حد و غایت ہی نہ تھی۔ اسقدر آگ بگولا ہوا۔ کہ جمعدار خوشحال سنگھ کو نالایق قرار دیکر جموں کا علاقہ اُس سے چھین لیا۔ اور قسم کھائی کہ خود جاکر ڈیڈو کو جب تک گرفتار نہ کرونگا۔ تب تک لاہور میں واپس نہ آونگا۔ جسقدر سردار دربار میں موجود تھے۔ رنجیت سنگھ کا یہ عہد سنکر دم بخود رہ گئے۔ کسی نے اُف تک نہ کی۔ مگر مہاراجہ گلاب سنگھ ہنسنے لگا۔ اُس کے بیموقعہ ہنسنے سے سرداروں کو حیرت ہوئی۔ بلکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بھی حیران ہو کر اُس سے پوچھا۔ کہ اس بے تکی ہنسی کی کیا وجہ ہے +

مہاراجہ گلاب سنگھ نے جواب دیا۔ کہ اے مہاراجہ دھیراج میری ہنسنی بیموقعہ نہیں ہے۔ میری ایک کہانی سن لیجئے۔ پھر حضور کو میری اس ہنسنی کا مطلب خودبخود روشن ہو جاویگا۔ یہ کہکر اس نے اس کہانی کا آغاز اسطرح کیا۔ کہ ایک جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ اور اُس کا دستور یہ تھا۔ کہ شکار کھیلنے کے بعد واپس آکر اپنے گپھا میں جاکر سو رہتا تھا۔ اتفاق سے شیر کی اُس گپھا میں ایک چوہے نے بھی رہایش کی۔ ایک دن جبکہ شیر سو رہا تھا۔ اُس چوہے نے اپنی سوراخ میں سے چپکے سے نکلکر شیر کی مونچھیں کتر ڈالیں۔ جب شیر بیدار ہوا۔ اور اپنی مونچھون کو چٹ پایا۔ سخت گھبرایا اور گرجتا ہوا باہر نکلا۔ بلکہ غصہ کے مارے اس زور و شور سے گرجا کہ جنگل میں جسقدر چرند و پرند تھے۔ مارے خوف کے سب کے پیشاب خطا ہو گئے۔ کسی جانور کو یہ حوصلہ نہوا۔ کہ اُس کے نزدیک جاکر اُس سے دریافت کرتا۔ کہ اے جنگل کے راجہ! کہ اس بیطرح گرجنے کا باعث کیا ہے۔ ان جانورون میں ایک بلی بہت دلیر تھی۔ سب جانورون نے اُس کی خوشامد کی۔ جون تون ہو سکے تو شیر کے پاس جاکر اُس کا غصہ فرو کرے۔ چنانچہ اُس نے سب کا کہنا مانا۔ اور شیر کے پاس بیدھڑک چلی گئی۔ اور ادب سے جھککر عرض کی۔ کہ اے جنگل کے بادشاہ! قربان جاؤن۔ ایسا کیا صدمہ حضور کے دشمنون کو پیش آیا۔ کہ عادت کے برخلاف اس طرح سے گرج رہے ہو +

شیر کو بلی کی یہ ہمدردی بہت پسند آئی۔ اُس نے گرجنا بند کیا۔ اور مہربان ہو کر بلی سے بولا۔ کہ اے بلی دیکھ کسی گستاخ چوہے نے میری مونچھیں کتر ڈالی ہیں۔ میں اس بدفلت جانور کو سخت سزا دینی چاہتا ہون۔ اس لیئے تو جنگل میں جا۔ اور تمام جانورون کو میری زبانی حکم دے۔ کہ وہ سب اکٹھے ہو کر میرے پاس آدین۔ تاکہ اس ظالم چوہے پر لشکرکشی کر کے اُس کو مار ڈالیں +

بلی نے پھر ادب سے سر جھکایا۔ اور کہا کہ میں حضور کا حکم سمجھ گئی۔ اور مجھکو اُس کی

تعمیل میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن چوہا کوئی ایسا بڑا طاقت والا جانور نہیں ہے کہ اُس کے مارنے کیواسطے تمام جانور جمع کئے جائیں۔ وہ میرا شکار ہے اور حضور کے اقبال سے میں اکیلی اُس کا کام تمام کر سکتی ہون۔ صرف اجازت کی دیر ہے۔ میں تن تنہا جاکر اُس کو مار سکتی ہون۔ شیر بلی کی اس معقول اور مودب تقریر سے بہت خوش ہوا۔ اور بعد غور کامل کے جوابدیا۔ کہ ہان بلی تیرا کہنا بہت درست ہے۔ تمام جانورون کو جمع کرنیکی کوئی ضرورت نہیں ہے میں تجھکو اجازت دیتا ہون۔ کہ تو اکیلی ہی جاکر اس موش بدہوش کو اپنا ایک تر نوالا بنا۔ اس قدر قصہ سُنانے کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے غضبناک مہاراجہ رنجیت سنگھ سے عرض کی۔ کہ ای سچے بادشاہ کیا ہم لوگ مر گئے ہیں۔ کہ حضور والا خود بذات ڈیڈو پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ اُس کا مارنا کیا مشکل ہے۔ کہ ایسا اندیشہ اور اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ ڈیڈو کی حیثیت میرے پاس ایسی ہی ہے جیسی اُس بلی کے پاس اُس چوہے کی تھی۔ ایک ڈاکو کے مارنے کیواسطے خود بذات تشریف لیجانا حضور کی شان کے برخلاف ہے۔ اگر حکم ہو۔ تو میں تن تنہا جاکر اُس کا قلع قمع کر آؤن۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اس راجپوت سردار کی تقریر سنکر بہت خوشی حاصل ہوئی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کا مطلب سمجھ گیا۔ اور جمون کا علاقہ اُس کو اجارہ پر دیکر اُس کو اختیار دیا۔ کہ جس طرح مناسب خیال کیا جاوے۔ میان ڈیڈو کو اُس کی بدحرکتون کا مزہ چکھاوے۔ بس پھر کیا تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اپنے ملک کے اجارہ دار بن کر کامل اختیارات کیساتھ جمون کو لوٹے۔ اور لوٹتے ہوئے اپنے ساتھ ڈیڈو کے دو رشتہ دارونکو بھی رہا کرا کر لے آئے۔ جو وہان مدت سے قید چلے آتے تھے +

٭ فوج جمون میں تھی۔ اُس کے علاوہ اور بھی کچھ فوج مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس اوس کی مدد کیلئے بھیجی گئی۔ مگر مہاراجہ گلاب سنگھ نے سر دست فوج سے کوئی کام نہ لیا +

پہلا انتظام اُس نے یہ کیا۔ کہ جسقدر ڈیڈو کے یار دوست اور رشتہ دار تھے ان سب کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اُن کے ملانے میں بہت روپیہ خرچ کیا۔ اس ترکیب سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو بخوبی معلوم ہو گیا۔ کہ ڈیڈو کو کون کون شخص پناہ دیتا ہے۔ اور اُس کے مددگار کہاں کہاں رہتے ہیں۔ بلکہ اب ڈیڈو کی آیندہ حرکات کی اطلاع بھی مہاراجہ موصوف کو قبل از وقت ملنے لگی۔ اور یہاں تک انتظام ہو گیا۔ کہ سب سے پہلے مہاراجہ صاحب مذکور نے ان لوگون کو سزا دینی شروع کی۔ جو ڈیڈو کو کسی قسم کی امداد یا پناہ دیتے تھے۔ اس تدبیر کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ڈیڈو کو لوگون نے مدد اور پناہ دینی ترک کر دی۔ بلکہ بہت سے ڈاکو بھی اس سے جدا ہو کر وہ تن تنہا رہ گیا۔ اب اُس کا پیچھا ہونا شروع ہوا۔ جسطرف وہ جاتا۔ فوجون کے دستے اُسکا پیچھا کرتے تھے۔ سب سے زیادہ پناہ اُس کو پرگنہ پہلوالٹہ میں ملا کرتی تھی۔ وہ خود بھی اسی پرگنہ میں چھپ جایا کرتا تھا۔ اور اُس کے بال بچے بھی یہاں ہی پوشیدہ رہا کرتے تھے۔ مگر اب تو اُس کا یہاں بھی تعاقب ہونے لگا۔ اس واسطے وہ اس جگہ سے بھی بھاگا اور مع عیال و اطفال کے ترکٹا دیوی کے پہاڑ پر جا چھپا۔ لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ سے یہ خبر بھی پوشیدہ نہ رہی۔ اس پہاڑ پر چڑھنے کے صرف تین راستے ہیں۔ مہاراجہ کی فوج نے تینون راستون سے کوچ کر کے اس پہاڑ کا بھی گھیرا ڈال لیا ✢

اب میان ڈیڈو کے چھکے چھوٹے۔ وہ سمجھ گیا۔ کہ اب اس کا اخیر زمانہ آنے والا ہے اس لئے اپنے بال بچون کو مندر کے پوجاری کے حوالہ کر کے خود سچے راجپوتون کی طرح گھیرا ڈالنے والی فوج کے آگے چلے آیا۔ اور ایک ٹیڑھے چٹان پر بیٹھ گیا۔ تلوار اپنے آگے رکھ لی۔ خود کمال فراغت کے ساتھ حقہ پینے میں مصروف ہو گیا۔ اور اپنے دشمنون کا جو دور سے نظر آ رہے تھے۔ تماشہ دیکھتا رہا ✢

مہاراجہ گلاب سنگھ نے حکم دے رکھا تھا۔ کہ ڈیڈو مارا نہ جاوے۔ اور گو فوجی آدمیون کو اب ڈیڈو حقہ پیتے ہوئے نظر آرہا تھا۔ لیکن اُس کی وحشت اسقدر تھی۔ کہ کوئی شخص اسکے قریب آنیکی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ آخر کار جنگی آدمیون کی ایک ٹولی آگے بڑھی۔ اور اُس کے بہت قریب آگئی۔ جسپر میان ڈیڈو للکار کر بولا۔ کہ اے کمبختو دور بھاگو۔ ورنہ ایک ایک کو چُن چُن کر ملک عدم میں دے مارونگا۔ اُسکا یہ کہنا ہی تھا۔ کہ سب کے اوسان خطا ہوئے اور کوئی آگے نہ بڑھا۔ آخر کار ایک سکھ نے حوصلہ کیا۔ اور ڈیڈو کے پاس چلا آیا۔ اُس کا نام جواہر سنگھ تھا۔ جواہر سنگھ نے ڈیڈو پر تلوار کا ایک وار کیا۔ لیکن وہ وار خطا ہوا۔ اور ڈیڈو کو سوائے ایک ہلکے سے زخم کے اور کوئی نقصان نہ پہونچا۔ بس پھر کیا تھا۔ جواہر سنگھ کی موت نے اُس کو آگھیرا۔ میان ڈیڈو نے تلوار کا ایک ہاتھ ایسا صاف کیا۔ کہ سر سے لیکر تونی (ناف) تک جواہر سنگھ دو حصون میں کٹ کر اور مردہ ہو کر ڈیڈو کے پاؤن کے نیچے گر پڑا۔ اور سپاہیون نے اپنے اس اجل رسیدہ ساتھی کا جب یہ حال دیکھا۔ ایسا ڈرے۔ کہ اُس کو زندہ گرفتار کرنیکا خیال چھوڑ کر بندوق کا نشانہ بنایا۔ جس کے بعد اُس کا سر کاٹ کر لاہور میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس پہونچایا گیا۔ اور اس بہادر میان کا جو دراصل اپنے ملک اور قوم کا خیر اندیش تھا۔ اس طرح سے خاتمہ ہوا +

ریاسی کی فتح

ریاسی کا مالک دراصل میان دیوان سنگھ تھا مگر اُس کی نسبت مہاراجہ رنجیت سنگھ کو شک ہوا۔ کہ میان موٹا کی قتل میں وہ بھی شامل تھا۔ اسواسطے یا یون کہو کہ مہاراجہ موصوف نے ریاسی کو اس بہانہ سے چھین لینے کے خیال سے دیوان سنگھ کو لاہور میں طلب کر کے قید کیا۔ اور اُسکا

ملک بھی ضبط کرلیا۔ یہ سموت ۱۸۷۴ کی بات ہے۔ اس وقت مہاراجہ گلاب سنگھ چھٹھی پر آئے ہوئے تھے۔ دفعتاً اُن کے پاس مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک پرائیوٹ خادم جسکا نام بھگوان سنگھ تھا۔ یہ تحریری حکم لیکر پہونچا۔ کہ ریاسی پر قبضہ کرکے اُس کو اپنی جاگیر میں شامل کرلو ✤

مہاراجہ گلاب سنگھ جن کو ملک گیری کا بہت شوق تھا۔ اس حکم سے بہت خوش ہوئے۔ جب فوج ظفر موج ریاسی کی حدود میں پہونچی۔ عام لوگون نے بہ اظہار اطاعت نذرانے پیش کئے۔ اور امان حاصل کی۔ مگر خسالی کے کچھ لوگ جن کو کچھ تو ایک غیر مستحق اجنبی شخص کی جانب سے حملہ کرنا بہت بُرا معلوم ہوا۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ دیوان سنگھ مذکور کے بیٹے میان بھوپ دیو نے اُن کو بھڑکا رکھا تھا۔ مقابلہ کرنے پر تیار ہوئے۔ اُنکی دیکھا دیکھی اُن کے ساتھ ارناس کے لوگ بھی شامل ہوگئے ✤

مہاراجہ گلاب سنگھ کو اس خبر سے غم پیدا ہونے کی جگہ برعکس خوشی حاصل ہوئی۔ اور چیدہ گھوڑ چڑھون کا ایک دستہ اپنے ساتھ لیکر بلا کسی لیس و پیش کے کوہستان خسالی کو روانہ ہوکر سوائے کسی کے مقابلہ کرنے کے سنداون میں پہونچا۔ جہان اُس نے ایک مہاتما آدمی کے جن کا نام بابا دھیونو تھا۔ درشن کئے۔ یہان سے مہاراجہ موصوف قلعہ سلال کو روانہ ہوئے۔ جو تین طرفون سے دریائے چناب سے گھیرا ہوا ہے۔ اور بوجہ دشوار گذاری کے خاص طور پر مشہور ہے ✤

دریا کے پار بھوپ دیو معہ اپنے پہاڑی جان نثار ملکیا لوگون کے نظر آرہا تھا۔ جس نے اُن کو حملہ آورون کے مقابلہ کے لئے جنگی قواعد کے مطابق قطار در قطار آراستہ کر رکھا تھا ✤

یہان سے حملہ آور فوج دریا کو مشکون کے ذریعہ جو سرنائیان کہلاتی ہیں عبور کرکے پہاڑی لوگون پر جا پڑے۔ اور ایک چھوٹا سا جنگ ہوا جسمین پہاڑی

لوگ زیادہ دیر تک مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے۔ اور فتحیاب حملہ آورون نے تعاقب کیا +

مغلوب شدہ خسون کا سرغنہ ایک شخص تہرن کوٹ کا باشندہ تھا۔ جس کا نام سری پت ڈھنڈی تھا۔ شکست کھانے کے ساتھ اُس نے کمال ادب کے ساتھ فتحیاب مہاراجہ کے پاس حاضر ہو کر اپنی جانب سے اور لوگون کی جانب سے بھی بطور ظاہر داری کے نہایت عاجزی سے عرض کی۔ کہ اُن کا قصور معاف فرمایا جاوے۔ اور اُس کے ساتھیون کو اجازت بخشی جائے۔ کہ حاضر ہو کر اپنی اطاعت کا اظہار کرین +

مہاراجہ گلاب سنگھ کو گو یہ یقین نہیں تھا۔ کہ سری پت اور اُس کے ساتھی سچے دل سے اظہار اطاعت کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم اُس نے اُس کی درخواست مصلحتاً منظور کی۔ اور خسون کو جے دیوا کرنیکا موقعہ دینے کے بعد سوائے کسی قسم کی گوشمالی کرنے کے ان سب کو رخصت کیا +

لیکن تہرن کوٹ اول لوٹا گیا۔ اور بعد اُس کے اُس پر اپنا قبضہ قایم کیا گیا سری پت نے جو تہرن کوٹ کے لوٹے جانے سے پیشتر ہی اس موضع سے کنارہ کش ہو چکا تھا۔ موضع مذکور کے لوٹے جانے پر تین سو روپیہ بطور نذرانہ کے پیشکش کئے۔ لیکن اِکی دفعہ اس نذرانہ کے ساتھ خود پیش نہیں ہوا بلکہ خوف کے مارے عمداً کنارہ کش رہا +

تہرن کوٹ کی لوٹی کے بعد رباسی سر کی گئی۔ جہان برہمنون نے اظہار اطاعت میں نذرانہ پیش کیا۔ اور بوجہ اُنکی اطاعت کے رباسی لوٹی سے محفوظ رہی +

رباسی اکی فتح کے بعد بھوپ دیو کا تو کہین پتہ نہ لگا۔ لیکن مسمی بھیمہ جو رباسی کا تہانہ دار تھا۔ وہ گرفتار ہو کر قید کیا گیا۔ اس کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ لاہور کو تشریف لیگئے۔ اور نو فتوح علاقہ کا اہتمام دیوان امیر چند کے سپرد کر گئے جس نے حسب ہدایت مہاراجہ صاحب موصوف ایک چکلہ بنایا۔ اور جدید تہانہ کرا کر

اس کا نام بھیم گڈہ رکھا۔ ✤

اہل ریاسی کی بغاوت اور اُن کی سرکوبی

میان بھوپ دیو نے جب سلال میں مہاراجہ گلاب سنگھ سے شکست کھائی اُس کے بعد وہ لاہور چلا گیا۔ جہان اوس کی کوشش رسوخ اور سازش سے اوس کے باپ میان دیوان سنگھ کو قید سے رہائی حاصل ہوئی۔ جسکے چھوٹ جانے پر اُس ریاسی میں یہ غلط شہرت مشہور کرادی۔ کہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے دونون بھائیون پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خفگی آگئی ہے۔ اور ریاسی کا علاقہ اُس کو اور اُس کے باپ کو واپس بخشا گیا ہے۔ بھوپ دیو نے صرف اس غلط افواہ کے مشتہر کرانے پر ہی اکتفا نہیں کی۔ بلکہ اوس کی تائید میں ایک جعلی پروانہ بھی تیار کیا۔ جسکو اُس نے مشہور کروایا۔ کہ اُس پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی صحیح پڑی ہوئی تھی ✤

یہ تمام منصوبہ ایسی ہوشیاری اور جانبازی سے تیار کیا گیا تھا۔ کہ سادہ لوح پہاڑی لوگ اُس کے دم جھانسے میں آگئے۔ اور جو کچھ اُس نے ظاہر کیا۔ اس بات کو سچ جانکر جوش میں آگئے۔ اور یہ جوشش یہان تک پہیلی کے آخرکار باشندگان کمتھی اور کہیر کنال نے جمع ہو کر قلعہ ریاسی کا محاصرہ کر لیا ✤

اس وقت دیوان امیر چند کے ماتحت صرف ۵۰ جوان تھے۔ اور عام لوگون سے مدد کی۔ کوئی امید نہ تھی۔ البتہ بھیما شاہ بہاٹرہ نے غلہ اور باروت کی خرید کے لئے روپیہ کی امداد بخوبی کی ✤

بہرحال امدادی فوج باہر سے جلد اور سرعت کے ساتھ آنے لگی۔ کچھ فوج رام گڈہ سے راجہ کشور سنگھ نے بھیجدی۔ سو مسلح جوان میان بدنا نے روانہ کئے۔ جو میان موٹا کے خاندان میں سے تھا۔ چناس لکھیانہ اور جندراہ کے جاگیردارون میں سے میان حسنا۔ ڈلا۔ اور چھیلا نے بھی

عین وقت پر اپنے اپنے آدمی بھیجدئے۔ پورو درہوڑا معہ ۲۰ مسلح جوانون کے موضع گڈہ پرگنہ داہور سے شمولیت جنگ کیواسطے آپ ریاسی میں داخل ہوا۔ میان پربین سنگھ منال بھی اس بغاوت کے فرو کرنے کے واسطے بذات خاص پہونچا ✣

اس سبب متفقہ فوج کی تعداد پانچسو آدمی تک ہوگئی۔ اور ریاسی میں داخل ہوکر منتظر اس بات کی رہی۔ کہ دیوان امیر چند حکم دیوے۔ تو محاصرہ کرنے والون کی خبر لیجاوے ✣

مگر پہاڑی باغیون نے جب دیکھا۔ کہ غنیم کی فوج تعداد میں بہت زیادہ ہے۔ تو محاصرہ اوٹھا کر آہستہ آہستہ رفو چکر ہونے لگے۔ لیکن دوسرے دن آخر کار کسیقدر مٹھ بھیڑ ہو ہی گئی ✣

میان جواہر سنگھ معہ کسیقدر ساتھیون کے ایک پہاڑ کے دامن سے گذر رہا تھا کہ باغیون کا ایک گروہ ان پر تلوارین سونت کر آپڑا۔ اور دست بدستی شمشیر بازی ہونے لگی۔ جس میں جواہر سنگھ اور اُس کے ساتھیون کے پیر اوکھڑنے لگے۔ مگر اُن کی خوش نصیبی سے ایک جوانمرد نے آکر اُن کا حوصلہ بڑھایا۔ اور شریک جنگ ہوکر وہ تلوار چلائی۔ کہ باغیون کے چھکے چھوٹ کر بھاگ نکلے۔ اس جوان مرد کا نام میان زور آور سنگھ کہلوریہ تھا ✣

زور آور سنگھ کلہوریہ لاہور سے ریاسی میں صرف بطور سیر کے آیا تھا۔ اور میان جواہر سنگھ کے جنگ کا تماشہ کہیں دور سے دیکھ رہا تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ جواہر سنگھ شکست کھانے کو تیار ہے۔ تو فوراً ان کی مدد کو پہنچا۔ اور باغی پہاڑیون کو مار بھگایا۔ جس کے بعد پھر وہ دوبارہ مقابلہ کی جرات نہ کر سکے ✣

چند یوم کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ بذات خاص ریاسی میں داخل ہوئے۔ جہان دیوان امیر چند کی زبانی میان جواہر سنگھ اگادھیا اور میان زور آور سنگھ کلہوریہ کی خدمات اور بہادرانہ کارنامونکا حال سُنکر دونون کو ایک ایک طلائی کنٹھہ صلہ مین بخشا۔ اس کے بعد پورو درہوڑا ریاسی کا تھانیدار مقرر ہوا ✣

دوسرے دن مہاراجہ صاحب سلال میں پہونچے یہاں ایک شخص جس کا نام سورنو تھا۔ نذر پیش کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ لیکن مہاراجہ صاحب نے اُس کی نذر قبول نہیں کی۔ جس پر وہ اجل رسیدہ جوش میں آکر بولا کہ مجھ پر اظہار خفگی کا کیوں کیا جاتا ہے اہل ریاسی نے میری تحریک سے بغاوت نہیں کی تھی۔ بلکہ اس بغاوت کے بانی دراصل حضور کے کاردار ہیں۔ جنہوں نے کہ بدعملی پھیلا رکھی تھی +

مہاراجہ گلاب سنگھ اپنا رعب وداب قایم کرنے کیواسطے جس کی کہ سخت ضرورت تھی۔ کسی نہ کسی کو سزا تو دینی چاہتا ہی تھا۔ سرنو کی دریدہ دہنی نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو موقعہ دیا۔ کہ اپنا غصہ اُسی اجل رسیدہ پر نکالے۔ لہذا اُس کے حکم سے سرنو پھانسی لگایا گیا۔ اور اُس کی لاش ایک شیشم کے درخت کے ساتھ نظیراً لٹکائی گئی۔ اور ازاں بعد ریاسی والوں نے پھر کبھی بھی بغاوت نہیں کی +

کشٹوار کی فتح

کشٹوار کا خطہ قدیم الایام سے ملک کشمیر کا ایک جزوی علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر دلایل ایسی موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے۔ کہ اس ملک کی آبادی کشمیر سے بیشتر کی ہے۔ روایت ہے۔ کہ جبوقت کشمیر کی سرزمین ایک جھیل کی حالت میں بلند کوہستان کی چوٹیوں تک پانی اور برفوں سے پُر ہو کر ستی سر کے نام سے ملقب تھی اس وقت کشف جی کشٹوار میں بھی رہتے تھے۔ اور یہاں سے ہی کشمیر کیطرف بڑہکر اور کونثر ناگ کے پہاڑ پر بیٹھ کر جھیل مذکور کا پانی نکالنے کیواسطے انہوں نے تپسیا (ریاضت) کرنی شروع کی +

کشف جی کا گذر چونکہ پہلے کشٹوار میں ہوا۔ اس واسطے اُس سرزمین کا نام کشف وار یعنے کشف جی کے رہنے کی جگہ تہا +

اب اس ملک کا نام جو بجائے کشف وار کے کشٹوار ہے۔ اسکی وجہ یہ ظاہر کیجاتی ہے۔ کہ کشف جی کا دور دورا جب ہو چکا تو پھر اس ملک میں کسی زمانہ

ہیں ایک تاجرون کی قوم آکر آباد ہوئی۔ یہ لوگ بہوٹان سے خوبانیان خرید کر لاتے تہے۔ بوجہ جس کے کشتوار میں ایک بڑی بہاری منڈی خوبانیون کی قایم ہوئی جن کی گوٹہلیون سے علاقہ کشتوار میں جنگلی خوبانیان افراط سے پیدا ہونے لگیں خوبانیون کو کِشٹہ کہتے ہیں۔ اور بوجہ خاص پیداوار کشٹون کے کشتوار کا نام کِشٹہ وار ہو گیا۔ یعنے کشٹون کی پیداوار کی جگھ ✤

کِشٹوار کی حدودِ اربعہ یہ ہیں۔ مشرق میں چمبہ۔ مغرب میں کشمیر کا مشہور پہاڑ بانہال شمال میں کوہستان بہوٹان۔ اور جنوب میں جنتی جو پرگنہ بہلوالٹہ میں واقعہ ہے اور ایک ایسی دیرینہ چھوٹی سی ریاست ہے۔ کہ جس کا ابتدائی حال دریافت طلب ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب کشمیر سے زبردست ہندون کی حکومت اُٹھ گئی تو کشٹوار میں بکرماجیت کی نسل میں سے کسی نے آکر اپنی ریاست قائم کی جسکا مفصل حال جدا لکھا جائیگا ✤

اس خاندان کا اخیر راجہ تیغ سنگھ ہوا ہے۔ جس نے اسلامیہ مذہب اختیار کرنے کے بعد ہندون کو اپنا دشمن کیا۔ اور اس کوشش میں لگا۔ کہ اوسکا وزیر لکھپت رائے بھی مسلمان ہو جائے۔ تیغ سنگھ نے وزیر لکھپت رائے کو کئی طریقون سے سمجھایا۔ اور بہت ترغیبین اور دہمکیان دین۔ لیکن راجہ تیغ سنگھ کی ان حکمت عملیون کا اس کی طبیعت پر نہ کچھ اثر پڑا۔ نہ وہ اپنے دہرم سے باز آیا۔ بلکہ راجہ تیغ سنگھ اُس کو مسلمان بنانیکواسطے جسقدر زیادہ کوشش کرتا تھا۔ وزیر لکھپت رائے کا عقیدہ اپنے دہرم پر اُسیقدر زیادہ پکا ہوتا جاتا تھا۔ بوجہ جس کے آخر کار ان دونون میں کھلم کھلی مخالفت پیدا ہو گئی ✤

مہاراجہ گلاب سنگھ جو اس بگڑی ہوئی ریاست کو ایک مدت سے ہڑپ کر لینا چاہتا تھا۔ اُس نے راجہ اور وزیر کی باہمی مخالفت کو اپنی خوش نصیبی سمجھکر اس جلتی آگ میں ایک ترکیب سے تیل ڈال کر اُس کے جہان سوز شعلون کو اور بھی بلند کر دیا ✤

وہ ترکیب یہ تھی۔ کہ ایک روز موقعہ دیکھکر اُس نے وزیر لکھپت رائے کے نام ایک مراسلہ بدین مضمون لکھا۔ کہ آپکی عرضی وصول ہوئی۔ اور اوسکا مضمون پڑھکر کمال خوشی حاصل ہوئی۔ چاہیئے کہ آیندہ بھی اسیطرح اپنے حالات سے آگاہی دیتے رہا کرو ✦

اس مراسلہ کو لکھا کر مہاراجہ گلاب سنگھ نے ایک لفافہ میں بند کراکر دیدہ ودانستہ راجہ تیغ سنگھ کے پاس بھجوا دیا ✦

راجہ تیغ سنگھ کو یہ شک تو پہلے سے ہی تھا۔ کہ اُس کے اہلکار اُس کو قتل کرکے اوسکے بیٹے کو گدی پہ بیٹھانا چاہتے ہیں۔ جب مہاراجہ گلاب سنگھ کے مراسلہ سے اسکو معلوم ہوا۔ کہ اُس کے وزیر نے مہاراجہ موصوف کے ساتھ خط وکتابت جاری کر رکھی ہے۔ (حالانکہ اس خط وکتابت کا کوئی وجود ہی نہ تھا) تو اُس کا شک بہ پایہ یقین پہونچا۔ اور بیچارے ناکردہ گناہ وزیر مذکور کے لہو کا پیاسا ہوکر اُس کے مروا ڈالنے کی فکر میں پڑا۔ حتےٰ کہ ایک پٹھان اُس کی قتل پر مقرر ہوا۔ اور قرار یہ پایا کہ جسوقت وزیر مذکور حسب معمول خود دربار میں سلام کرنے آوے۔ اسیوقت موقعہ دیکھکر سر دربار قتل کر ڈالا جاوے۔ چنانچہ اس پٹھان نے ایک دن ایسا ہی کیا۔ کہ سر دربار وزیر مذکور پر تلوار کا وار کیا۔ مگر وزیر مذکور کی خوش نصیبی سے وہ تلوار اُس کے بازو پر لگی۔ اور بجز ایک خفیف زخم کے اور کوئی نقصان نہ کر سکی ✦

راجہ تیغ سنگھ کو جسقدر وزیر لکھپت رائے سے نفرت تھی۔ اسیقدر بوجہ اُس کی ہر دلعزیزی کے اس سے ڈرتا بھی تھا۔ جب اُس نے دیکھا۔ کہ پٹھان کا وار خالی گیا۔ تو کچھ تو اس خیال سے کہ اُس کی سازش کا حال افشا نہو۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ وزیر اور اُس کے یار دوست اور ہمدردوں کا غصہ فرو ہوکر زیادہ شورش نہو۔ باواز بلند یہ حکم دیا۔ کہ پٹھان مذکور جانا نہ پاوے۔ فوراً قتل کیا جاوے۔ اُس کے

منہ سے یہ حکم نکلنے کی ہی دیر تھی - کہ دس بارہ مسلّح آدمیون نے اوسکو چارون طرف سے گھیر کر ٹکڑہ ٹکڑہ کر ڈالا +

مگر اس اجل رسیدہ پٹھان کی قتل سے وزیر لکھپت رائے کو جسکا ہنوز یہاں کچھ آب و دانہ باقی تھا - اپنی آیندہ سلامتی کا اطمینان نہوا - جس وجہ سے وہان سے مفرور ہوکر اوس نے بھدرواہ کی سکونت اختیار کی - اور قسم کھائی کہ جب تک راجہ تیغ سنگھ کشتواڑ کا راجہ رہیگا - تب تک نہ وہ کشتواڑ مین قدم رکھیگا - اور نہ اس ملک مین ملازمت کریگا +

وزیر لکھپت رائے کے نکل جانے کے بعد کشتواڑ کا انتظام اور بھی بگڑ گیا - اور جب اُس ریاست کی بدبختی کا ستارہ پورے کمال پر پہونچا - تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اُس کے الحاق کے لئے عملی تدابیر کرنی شروع کردین چنانچہ سب سے پہلے اُس نے خفیہ طور سے اپنی فوج کو چنینی کے گردو نواح مین پہونچایا - یہ ۱۸۷۷ بکرمی کی بات ہے - پھر خود دورہ کے بہانہ سے ایک دن اس فوج کے ساتھ جاملا - اور وہان سے راجہ دیال چند والئے چنینی کو اپنے آنیکی اطلاع کرا کر اُس کو اپنے پاس آنیکا پیغام بھیجا - لیکن راجہ دیال چند ڈرا - کہ مبادا کچھ فریب ہو - جس پر مہاراجہ موصوف نے اُس کے پاس خاص اُس کے ہی ایک اہلکار وزیر جراسندہ کو بھیجکر اور اسکا شک رفع کرا کر اُس پر اپنے دل کا حال ظاہر کیا - کہ کشتواڑ کے متعلق کچھ مشورہ کرنا منظور ہے - جب راجہ دیال چند کا شک اسطرح رفع ہوا - تو وزیر جراسندہ کے ہمراہ ہو لیا - مہاراجہ موصوف نے اُس کے درجہ کے مطابق اُس کی پیشوائی کی اور ان دونکی ملاقات کا یہ نتیجہ نکلا - کہ چنینی کی رعایا نے ڈوڈہ کے متصل حسب خواہش مہاراجہ موصوف کے دریائے چناب پر درختون کی شاخون کے رسّے بنا کر ایک پل بنا دیا - جس کے بن جانے پر مہاراجہ موصوف معہ اپنی فوج کے اس پل کے ذریعہ اس قسم کے رسون سے جو پل

بنائے جاتے ہیں۔ اُن کو کہیرا کہتے ہیں) دریا کو عبور کیا۔

تیغ سنگھ کو اُس کی چڑھائی کی باموقعہ خبر ہو چکی تھی۔ اور گو وہ جانتا تھا۔ کہ اُس کا انتظام بگڑا ہوا ہے۔ اور وہ طاقتور حملہ آور کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتا ہے۔ تاہم اُس نے اپنی ٹوٹی ہوئی فوج اور شکستہ دل رعایا کو اُس کے مقابلہ کیواسطے روانہ کیا۔ رام بن کے آگے دونوں فوجونکی مٹھ بھیڑ ہوئی۔ جس میں کشٹواریوں کا سخت نقصان ہوکر اور شکست کھاکر بھاگ نکلے۔ اور فتحیاب ڈوگروں نے راجہ تیغ سنگھ پر قابو پاکر اُس کو ایک بہانہ سے روانہ لاہور کیا۔ جہاں اُس کو سکھوں نے زہر دیکر مار ڈالا۔ مگر راجہ تیغ سنگھ کے اسطرح سے مغلوب ہوکر لاہور میں مارے جانے کی تصدیق سوائے گلاب نامہ کے اور کسی ذریعہ سے نہیں ہوئی۔ بلکہ اصلی کیفیت جس کی تصدیق وارثان وزیر لکھپت رائے سے بھی ہوتی ہے۔ یہ ہے۔ کہ جب ڈوگروں کی فوج ڈوڈہ میں پہونچی۔ تو راجہ تیغ سنگھ بھی معہ دس ہزار کشٹواریوں کے ڈوڈہ میں آکر مہاراجہ گلاب سنگھ سے آملا۔ اور کوشش یہ کی کہ جنگ کی نوبت نہ آوے۔ جس پر مہاراجہ گلاب سنگھ نے اُس کو صاف الفاظ میں اطاعت قبول کرنے کا مشورہ دیا۔

راجہ تیغ سنگھ کو مہاراجہ مذکور کی اس بات سے اسقدر غصہ آیا کہ وہاں سے فوراً برخاست کرکے بدین خیال روانہ لاہور ہوا۔ کہ وہاں جاکر مہاراجہ رنجیت سنگھ سے براہ راست بات چیت کرکے ڈوگروں کی ماتحتی سے محفوظ رہے ورنہ بصورت دیگر کشٹوار کا ملک بھی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حوالہ کردیا جاوے لاہور میں پہونچکر بدنصیب تیغ سنگھ کو راجہ دھیان سنگھ کے ساتھ واسطہ پڑ گیا۔ جس نے بلحاظ اپنے بھائی مہاراجہ گلاب سنگھ کے اُس کی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ ملاقات ہی نہ ہونے دی +

جب راجہ تیغ سنگھ کے نوکر چاکروں نے دیکھا۔ کہ نہ اُس کی مہاراجہ

رنجیت سنگھ تک رسائی ہوئی - نہ اوس کی کوئی بات ہی پوچھتا ہے - تو اکثر لوگ اُس سے کنارہ کش ہو کر واپس کشتوار کو چلے آئے - اور اسطرح سے اُس کے ہمراہی یہان تک بھاگ گئے - کہ آخرکار اُس کے پاس بہت تھوڑے نوکر چاکر رہ گئے - راجہ تیغ سنگھ بہ امید ملاقات اور بھی کچھ مدت تک لاہور مین ٹھہرا رہا - مگر جب اس کا سرمایہ بھی ختم ہو گیا - تو لاچار دینانگر کو روانہ ہوا - اور یہان حالت مایوسی اور نہایت بے سروسامانی مین اپنے بازو کی رگون کو کٹوا کر خودکشی کر لی +

بہر حال جب کشتوار کا الحاق اسطرح بظاہر سکھون کی سلطنت کے ساتھ اور دراصل جمون کے ساتھ ہو گیا - تو اس کا پہلا کاردار میان چین سنگھ مقرر ہوا - اب وزیر لکھپت رائے کی کیفیت سنئے - جب کشتوار پر اسطرح مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکومت قائم ہوئی - تو وزیر مذکور کو سوائے اس کے کہ اپنے آپ کو مہاراجہ موصوف کے رحم پر چھوڑ دے اور کوئی صورت نظر نہ آئی - ادھر مہاراجہ گلاب سنگھ جو کہ نمک حلال اور شریف اور خاندانی اشخاص کا قدردان تھا - وزیر لکھپت رائے کی نمک حلالی اعلیٰ لیاقت اور خاندانی عظمت سے بھی بخوبی واقف تھا - بلکہ جسطرح سے اُسنے وزیر مذکور کو راجہ تیغ سنگھ سے ناحق بدظن کر دیا تھا - وہ حال بھی اُس کو بخوبی یاد تھا - بلحاظ ان حالات کے مہاراجہ موصوف نے وزیر مذکور کے ساتھ مہربانی سے پیش آ کر اُس کی جاگیر بدستور بحال رکھی اور علاوہ بریں اُس کو اپنے اہلکارون میں شامل کیا - جس کے بعد وزیر مذکور کا بوجہ اُس کی لیاقت اور اعلیٰ درجہ کی خوبیون کے مہاراجہ صاحب موصوف کے پاس اسقدر رسوخ ہوا - اور اعتبار بڑھا - کہ رفتہ رفتہ خاص اہلکارون یا ارکین ریاست میں شامل ہوا - اور بڑی بڑی خدمتین بھی انجام دین +

کشتواریون نے اسطرح ڈوگرون کے ماتحت ہو کر کئی دفعہ ہاتھ پیر مار کر اُن کی حکومت سے مخلصی پانیکی کوششین بھی کی تھین - لیکن جب

مہاراجہ گلاب سنگھ سردار جواہر سنگھ کی وزارت کے زمانہ میں مغلوب ہو کر لاہور میں پہنچائے گئے ۔ کشتواریوں کی اُس وقت کی سرکشی نہایت خطرناک تھی۔ اس بغاوت کا سرغنہ دلاور خان تھا۔ جس کو دلاور سنگھ بھی کہتے تھے۔ یہ شخص راجہ تیغ سنگھ کی ایک آشنا عورت کے پیٹ سے پیدا ہونیکے باعث اپنے آپ کو کشتوار کی گدی کا وارث سمجھتا تھا۔ اور نکرم زمیندار اور ایک نمکحرام منشی کی تحریک اور امداد کے بھروسہ پر سرکش ہوا تھا۔ اس نمک حرام منشی کا نام یوسف خان تھا۔ ان دونوں مددگاروں کی امداد پر گمراہ ہو کر دلاور خان کشتوار میں اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ بہت لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے اس کی مدد کے لئے جمع بھی ہو گئے۔ اور ان بلوائیوں نے یہاں تک خطرناک صورت اختیار کی۔ کہ لالہ سرب دیال جو کشتوار کا کاردار تھا۔ اور متصدی بہٹ یار خوف زدہ ہو کر ایسے گھبرائے۔ کہ مفرور ہو کر قلعہ ڈوڈہ میں پناہ گیر ہوئے۔ لیکن باغیوں کا حوصلہ یہاں تک بڑھا ہوا تھا۔ کہ انہوں نے قلعہ ڈوڈہ کا بھی محاصرہ کر لیا۔ اور یہ محاصرہ اُس وقت ٹوٹا جبکہ لکھپت رائے وزیر معہ اپنے فرزند وزیر زور آور سنگھ کے کسیقدر فوج لیکر رام بن میں پہونچے جہاں سے انہوں نے دریائے چناب کو اموالک زمیندار کی مدد سے عبور کر کے توپیں چلانی شروع کیں۔ جن کی آوازوں سے باغی لوگ خوف زدہ ہو کر مفرور ہو گئے۔ اور بعد اُس کے کشتواریوں نے پھر کبھی بغاوت نہیں کی۔ بلکہ اب وہ لوگ ڈوگرہ حکومت کی نہایت جاں نثار اور فرمانبردار رعایا ہیں۔

قلعہ سومرتھہ کی فتح

قلعہ سومرتھہ مابین کوہستان بلور و رام نگر کے واقعہ ہے۔ اس قلعہ پر مہاراجہ گلاب سنگھ نے معہ اپنے دیگر نامی سرداروں اور بہادروں کے سنہ ۱۸۹۹ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۴۲ء میں خود چڑھائی کی تھی۔ جو فوج اس قلعہ پر حملہ آور

ہوئی تھی۔ وہ چار کالمون میں تقسیم کی گئی تھی۔ ایک کالم کی کمان دیوان امیر چند کو معہ دلپتیہ اور رمیرپوریہ دو میان صاحبان کو ملی تھی۔ اسی کالم میں دو سو آہنی سپاہی اور مسلحہ زمیندار لوگ شامل تھے۔ ان لوگون نے مان سر سروہی سر سے ہو کر چڑھائی کی۔ اور جب بجاور میں پہونچے۔ تو ایک ہزار جنگی سپاہی اُن کے ساتھ اور بھی آملے۔ باقی تین کالم بھی تین راستون سے ہو کر چلے۔ اور جب یہ چارون کالم قلعہ سومرتھ کے متصل پہونچے۔ تو پہلے ہر ایک کالم نے اپنے اپنے محاظ میں مورچہ بندی کی۔ تاکہ دشمن کی بندوق یا گولی کوئی کاٹ نہ کرے ✣

محاصرہ دیوان امیر چند کے کالم نے شروع کیا۔ جس نے قلعہ کے پیچھے سے جنگ جاری کر دیا۔ آگے کیطرف سے خود مہاراجہ صاحب موصوف معہ کچھ فوج کے بڑھے۔ دائین طرف سے میان ساول سنگھ اور سمادھی سنگھ کے کالم نے حملہ شروع کیا۔ بائین طرف سے میان لابھ سنگھ اور دیوان سنگھ کے کالم نے دھاوا بول دیا۔ اور ایک خونخوار جنگ شروع ہوا۔ قلعہ کے چارون طرف ایک گہری کھائی تھی۔ جس میں پانی بھی بہت عمیق تھا۔ زیادہ غضب یہ کہ قلعہ گیر فوج تاک تاک کر نشانے لگاتی تھی۔ اور حملہ اور فوج پر انہون نے وہ غضب کی۔ آگ برسائی کہ جسقدر اُن کی تعریف کیجائے کم ہے۔ لیکن مہاراجہ کی فوج آگے بڑھنے سے پھر بھی نہ چوکی ✣

جب رات ہوئی۔ اور اندھیرے میں ایکدوسرے کا بازو بھی نظر نہیں آتا تھا۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھ خاکی وردی پہنکر خفیہ طور سے آگے کو بڑھتے بڑھتے قلعہ کی کھائی تک جا پہونچے۔ رات کو دونون طرف سے خوب بندوق چلی۔ صبح دم میان بشنا اور چار اور نوجوان کہیں سے درخت کاٹ لائے۔ جن کے تنون اور شاخون سے ایک جگہ کھائی بند کیگئی۔ آگے بڑھنے کا راستہ بھی بن گیا۔ اور قلعہ کی دیوارون پر چڑھ جانے کے لئے

سیڑھیاں بھی تیار ہوگئیں۔ بعد اُس کے میاں گلاب سنگھ بنفسی آگ میں قلعہ کے دروازہ پر جا پہونچا۔ اور قلعہ گیر فوج کو اُس نے زور سے پکار کر کہا۔ کہ دروازہ کھولدو +

محصورین نے جب دیکھا۔ کہ بچاؤ کی اب کوئی صورت نہیں ہے۔ تو چند شرائط پر دروازہ کھولدینے پر رضامند ہوئے۔ اُن کی شرطیں منظور کرلی گئیں جس کے بعد قلعہ گیر فوج دروازہ کھولکر اور ہتھیار چھوڑ کر قلعہ سے باہر نکل آئی۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے قلعہ کا قبضہ کر کے اُس کی تھانہ داری میاں کشن سنگھ عرف میاں کشنا کو دی۔ لیکن یہ انتظام جلدی بدل گیا۔ کیونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے علاوہ رائے کوٹ اور سانبہ کے یہ قلعہ بھی معہ رام نگر کے راجہ سوچیت سنگھ کو دیدیا۔ اور اُس کے مل جانے سے راجہ سوچیت سنگھ کی کل جاگیر ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی ہو گی +

مہاراجہ گلاب سنگھ کے ماتحتوں کا تبت خورد کو فتح کرنا

معلوم ہوتا ہے۔ کہ ریاسی ارناس اور کشتواڑ کا بالا حاکم میاں زور آور سنگھ کلہوریہ تھا۔ جس نے بوجہ اس حکومت کے لداخ پر حملہ کرنیکے لئے اوتم بہڈیال کے ساتھ مشورہ کیا۔ اور آخر کار ان دونوں نے ایک مہم تیار کی۔ جسکو لیکر میاں زور آور سنگھ کلہوریہ نے لداخ پر جس کے متعلق اُس کو پیشتر سے کوئی علم نہ تھا۔ چڑھائی کی +

اس مہم نے پہلے پرگنہ سورو کرگل۔ اور دراس کو فتح کیا۔ پھر جبکا رکو سکھوں کی عملداری میں شامل کیا۔ لیکن لداخ فتح نہو سکا +

سنہ ۱۸۹۰ بکرمی میں زور آور سنگھ کلہوریہ نے لداخ پر چڑہائی کی۔ اور چھوکہ چھپل

نے جو لداخ کا راجہ تھا۔ یہ سوچکر کہ جنگجو ڈوگروں کے ساتھ مقابلہ کرنا باعث بربادی ہوگا۔ جنگ نہیں کیا۔ بلکہ زور سنگھ کے پاس حاضر ہوکر اُس نے اطاعت قبول کی۔ اور تیس ہزار روپیہ سالانہ باج دینے پر رضامند ہوا۔ جس میں سے مہاراجہ گلاب سنگھ نے پیچھے سے پانچ ہزار روپیہ کم کر کے صرف پچیس ہزار روپیہ سالانہ خراج لینا منظور کیا +

اسی اثنا میں زور آور سنگھ کہلوریہ کی خوش نصیبی سے جسکو ملک گیری کا بہت شوق تھا۔ احمد شاہ والئے اسکردو اور اُس کے بیٹے محمد شاہ میں نفاق ہوگیا۔ بوجہ جس کے محمد شاہ اسکردو سے بھاگ کر لداخ میں زور آور سنگھ کے پاس آگیا۔ اور بہادر زور آور سنگھ نے خوش ہوکر یہانتک اس کو پناہ دی۔ کہ واپسی کے وقت اُس کو لداخ کے راجہ کے حوالہ کردیا +

لیکن زور آور سنگھ کی واپسی کے بعد محمد شاہ کے ساتھ اچھا سلوک نہوا جونہی لداخ کے راجہ نے دیکھا۔ کہ اُس کا فتح کرنیوالا میان اُس کی نظروں سے غائب ہوکر بہت دور چلا گیا ہے۔ تو اُس نے محمد شاہ کو اُس کے باپ کے پاس پیادہ پا اسکردو میں بھجدیا۔ بوجہ جس کے اس بیچارے کو موسم زمستان میں برفانی راستہ سے گذر کر اسکردو کو جانے سے صرف اُس کے پیر ہی برفوں سے نہیں سڑ گئے تھے۔ بلکہ جب وہ اسکردو میں پہونچا۔ تو وہاں بھی اُسکا باپ اُسکے ساتھ بہت بری طرح پیش آیا +

میان زور آور سنگھ کو جب معلوم ہوا۔ کہ لداخ کے راجہ نے محمد شاہ کے ساتھ ایسا خراب سلوک کیا ہے۔ تو آگ بگولا ہوکر موسم بہار کے شروع ہوتے ہی گذشتہ بہار کے بادل کیطرح پھر لداخ پر چڑھ آیا۔ راجہ مورپہ تنزین جہان اُس نے چیچہ کہ چہل کو گدی سے اُوتار کر اُس کی جگہ ایک شخص موسومہ من چین کو راجہ بنایا۔ اور لدرک اوچہ گنتپا کو اُس کا وزیر مقرر کر کے واپس چلا آیا۔ لیکن ابھی وہ صدر مقام پر نہیں پہونچا تھا۔ کہ نہلاں سنگھ تھانیدار دراس اور کرگل کو جو کرنیل میان سنگھ

گورنر کشمیر کا آوردہ تھا۔ راجہ علی شیر والئے کرتک نے فتح سنگھ جوگی کے اشارہ سے مار ڈالا۔ جس پر اُس کو حکم ہوا کہ موقعہ پر جا کر مجرمان کی گوشمالی کرے بلکہ رحیم خان پشکومہ اور راجہ احمد شاہ والئے اسکردو کو بھی سزا دیوے۔ جنہون نے کہ مجرم کو پناہ دی ہے +

بہار کے شروع ہوتے ہی میان زورآور سنگھ نے پھر چڑھائی کی۔ اور بجلی کیطرح اسکردو میں پہونچ جاتے ہی قلعہ ارمن کو سر کر لیا۔ جس کا بانی افسر اسباب پشنگی بتلایا جاتا ہے۔ اور بوجہہ مضبوطی کے خاص شہرت رکھتا ہے +

راجہ احمد شاہ نے اس موقعہ پر ایک قلعہ میں پناہ لی۔ جس میں وہ بہت دنون تک محصور رہا۔ اور آخر کار مجبور ہو کر قلعہ سے باہر نکلا۔ اور بہادر میان کے حضور میں باظہار اطاعت حاضر ہوا۔ جس نے اُس کو معافی دیکر مہربانی کے ساتھ رخصت کیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ پابندی لگا دی۔ کہ احمد شاہ اپنا وزیر اپنے بیٹے محمد شاہ کو بنا دے۔ اس چڑھائی میں میان زورآور سنگھ نے چھوٹے چھوٹے راجگان کھپلو۔ درندو۔ اور کرتاشک کو بھی مغلوب کر کے اُن کو سالانہ باجگذار بنا لیا +

ان فتوحات کے بعد رحیم خان پشکومہ بھی گرفتار ہو کر قید کیا گیا جس کے بعد میان زورآور سنگھ نے ایک دستہ فوج کا قلعہ اسٹور کے سر کرنے کے لئے زیر کمان ٹھبن شاہ روانہ کیا۔ اس قلعہ میں راجہ جبار خان بیس یوم تک لڑتا رہا۔ جس کے بعد خوراک کے ختم ہو جانے سے اُس نے چند شرائط پر اطاعت کی۔ اور قلعہ کا محاصرہ اُٹھایا گیا +

بعد اس دار و گیر اور رحیم خان پشکومہ کی گرفتاری کے یہان سے زورآور سنگھ واپس لوٹا۔ اور لداخ میں پہونچا۔ جہان اُس نے چھوکھہ جیل کے متبنی نواسہ کو دونگل کی گدی پر بٹھایا۔ اور مورت من چین والئے لداخ کو معزول کر کے قید کیا۔ کیونکہ مکنا تہانہ دار نے اُس کی بہت شکایت کی تھی۔

چہوکہہ چپہل متوفی کے نواسہ کو اس واسطے متوفی مذکور کا جانشین بنایا گیا۔ کہ جس وقت ڈوگرہ فوج نے اسکردو پر چڑہائی کی تھی۔ چہوکہہ چپہل زندہ تھا۔ وہ ڈوگرہ مہم کے ساتھ اسکردو کو گیا۔ اور ڈوگرہ فوج کو ہر ایک قسم کی مدد دیتا رہا۔ لیکن ہورت من چین نہ مہم کے ہمراہ گیا۔ نہ اُس نے کسی قسم کی امداد دی۔ لداخ میں بڈہن شاہ پر بھی بوجہ اُس کے کسی بداعمالی کے آفت آئی جسپر وہ قید کیا گیا۔ اسکے بعد موضع شام چک کے چھ سو آدمی جنکو شرپا کہتے ہیں۔ سرکش ہوکر قلعہ لداخ کا محاصرہ کر بیٹھے۔ یہ محاصرہ چھ ماہ تک قایم رہا۔ جسکے بعد ڈوگرہ فوج کی کمک پہونچی اور اُسنے سرکشون کو مار بھگایا ❖

ڈوگرون کا لداخ کے آگے جاکر ملک گیری کرتے ہوئے تباہ ہونا

جب زور آور سنگھ کلہوریہ نے لداخ تک تمام کوہستان فتح کرلیے۔ اب اُسکو لداخ سے آگے چڑہائی کرنیکی سوجھی جس خیال سے اُس نے فوج کو لداخ میں جمع کیا۔ اور پہلے گر پر حملہ کرنا چاہا۔ گر پر حملہ کرنیکے واسطے اُس نے فوج کے چار حصہ کئے۔ پہلے حصے کی کمان اُس نے ایک شخص مسمی نگنا کو دی۔ جسکو حکم ہوا۔ کہ دریائے چرنگ سنگہہ کہبس کے طرف سے آگے کو بڑہے دوسرے حصے کی کمان چودہری بہولا اور سبہن بہوٹے کو ملی۔ اور دونون کو حکم ہوا۔ کہ ٹیسی گنگ کو عبور کرکے اُسی راستہ سے گر پر حملہ آور ہون۔ تیسرا حصہ بسرکردگی میان مان سنگھ اور رسنگہاڑا از راہ لوبرا روانہ ہوا۔ چوتھے حصے کی کمان خود میان زور آور سنگھ نے لی۔ اور لوبرا میں سے گذر کر اُس نے پوردلا میں قیام کیا ❖

ڈوگرہ لوگ گر سے ابھی باران کوس دور ہی تھے۔ کہ تبتی لوگ مقابلہ کیلئے آموجود ہوئے۔ اور ایک خونخوار جنگ شروع ہوا۔ جس میں میان مان سنگھ کا لڑکا مارا گیا۔ اور تبتیون نے بہت سخت مقابلہ کیا۔ لیکن آخر کو نقصان برداشت کرنے کے بعد مغلوب ہوئے اور ڈوگرون نے گر کا قبضہ کر لیا ✤

گر کی فتح کے بعد ڈوگرے مان تلائی کیطرف بڑھے۔ جو یہان سے ۱۲ دن کی مسافت پر ہے۔ لیکن ڈوگرے وہان تین یوم میں ہی پہونچے۔ جہان سے مان مرگ کو جاتے ہوئے پھر اُن کا مقابلہ تبتیون نے بہت زور و شور سے کیا لیکن اس موقعہ پر بھی کھیت ڈوگرون کے ہاتھ رہا۔ اور قلعہ گردوک پر قابض ہوئے۔ اس فتح سے ڈوگرے اُس نام کے ضلع کے مالک ہو گئے۔ جسکی حکومت انہون نے وزیر کو دی ✤

تبتیوں کا قول ہے۔ کہ زمانہ قدیم میں اس ملک کو مان دہاتا نے فتح کیا تھا۔ ن جس کی راجدہانی ملک مالوہ اور اغلباً اونکار ناتھ میں تھی جس کے کھنڈرات وہان اب تک نظر آتے ہیں۔ بلکہ سنہ ۱۸۸۴ء میں **مولف** نے بھی خود دیکھے تھے تبتیون کے قول کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے۔ کہ علاقہ تبت میں بہت سے مکانات اور جھیلون کے نام ابتک مان دہاتا کے نام سے مشہور ہیں۔ جیسا کہ مان تلائی۔ مان سرور۔ اور مان بولا وغیرہ ✤

بعد فتح گردوک کے ڈوگرون نے پورنگ بھی فتح کیا۔ جہان انہون نے ایک ماہ تک قیام رکھا۔ اور اپنی فتوحات کی یادگار میں ایک نیا قلعہ بنایا بلکہ ایک بڑے چٹان پر جو ابتک وہان وجود ہے۔ اور تبتیون اور ڈوگرون کی سرحد تصور کیا جاتا ہے سنسکرت اور بھوٹی زبان میں اپنی فتوحات کا سال اور مختصر حال کھدوایا ✤

قلعہ پورنگ کے ایک طرف انگریزی علاقہ اور دوسری طرف نیپالیون کی حکومت کی سرحد ہے ✤

اسطرح ڈوگرون کے پورنگ میں آجانے سے اور اُن کی فتوحات سے گرد و نواح کے ملک میں سخت گبراہٹ پیدا ہوئی - حتی کہ نیپالیون کا ایک افسر معہ ایک سو بیس نوکر و چاکرون کے زور آور سنگھ کے قیام گاہ میں اُسکے آئندہ ارادہ اور حرکات کا حال دریافت کرنے کو پہونچا - زور آور سنگھ نے اُس کی خاطر تواضع اُس کے درجے کے مطابق کی - اور تین چار روز تک وہ زور آور سنگھ کے پاس بطور مہمان کے رہا جس عرصہ میں اُس نے بہت کوششین کیا کہ ڈوگرے اور نیپالی انگریزون کے برخلاف اتفاق کر لیوین - لیکن زور آور سنگھ نے اُس کی یہ درخواست بالکل منظور نہیں کی +

پورنگ سے زور آور سنگھ مان تلاسی کو گیا - یہان ایک ہفتہ قیام رکھا - پھر لاکہن گری کو گیا - اور راکہن گری سے کیلاس کو بڑھا - جہان تین یوم قیام کیا - یہان وہ ایک مندر بنانا چاہتا تھا - مگر اُس کی یہ خواہش پوری نہو سکی -

زور آور سنگھ کی فتوحات نے لاسہ میں بہت تشویش پیدا کر رکھی تھی - بوجہہ جسکے ایک تبتی جرنیل بسرکردگی ایک فوج عظیم کے اُس کی سرکوبی کو آیا اس جرنیل کا نام بقول ڈوگرون کے چہک ادت تھا - زور آور سنگھ کو اُس کے قریب آجانیکی باموقعہ خبر ملگئی تھی - مگر اُسکو خیال ہوا - کہ مثل نیپالی افسر کے وہ بھی اُس کے ملاقات کو آرہا ہے - اور یہ خیال کر کے وہ اوس کا انتظار مان سرور میں کرنے لگا +

لیکن چہک ادت بجائے مان سرور کے قلعہ گوردنگ پر حملہ آور ہوا - قلعہ گیر فوج نے مقابلہ کیا - اور بجز ایک شخص کے سب قتل ہو گئے - اس ایک شخص کا نام جیرو کوتوال تھا - جو یہ خبر لیکر زور آور سنگھ کے پاس پہونچا +

اب زور آور سنگھ کی آنکہین کہلین - اور خطرہ معلوم ہوا - بوجہہ جس کے ایکطرف تو اُس نے کچھ فوج زیر کمان میان مان سنگہ سنگہاڑا اور بہوپا کوتوال کے چہک ادت کے مقابلہ کے لئے فوراً روانہ کی - دوسری طرف تمام افسرون

کی مستورات کو معہ اپنی عورت کے لداخ کو واپس بھیجدیا۔ اس کے بعد وہ دشمن کے ساتھ ایک خونخوار جنگ کرنیکے واسطے مرنے اور مارنے کیلئے تیار ہو گیا ✣

لیکن سامان تمام اُس کے برخلاف تھے۔ نہ لکڑیاں موجود تھیں۔ اور نہ خوراک کا ذخیرہ ہی موجود تھا۔ کھانے پینے کا تمام سامان ختم ہو چکا تھا۔ مزید ان اوسکی بدنصیبی سے برف پڑ گئی۔ سردی اور برودت اس کثرت سے ہو گئی۔ کہ ندیاں نالی جھیلیں اور دریا سب جم گئے ✣

ڈوگرہ بیچارے گرم ملک کے رہنے والے تھے۔ سب کے سب بھوک پیاس سے جان بلب اور سردی سے ٹھٹھر کر ادھ موئے ہو گئے۔ ادھر چہک اوت نے قلعہ گیر فوج کو تہ تیغ کر کے چاروں طرف دوڑ گئے۔ اور قلعہ گیری شروع کر دی۔ جو ڈوگرہ جہاں نظر آتا۔ اُس کو مار گراتا۔ جب تمام قلعے [illegible] اسطرح قبضہ میں آگئے۔ پھر یہ جرنیل زور آور سنگھ کی مزاج پرسی کو بڑھا۔ جو اپنی تمام فوج کیساتھ پورنگ میں اس کا انتظار کر رہا تھا ✣

یہاں ایک دست بدست جنگ ہوا۔ ڈوگروں کا کام تو بھوک پیاس اور سردی نے پہلے سے ہی تمام کر رکھا تھا۔ چہک اوت نے سب کو گھیر کر جرولوں اور مولیوں کیطرح کتر ڈالا۔ اور زور آور سنگھ کے ساتھ تو ایسی سختی کی۔ کہ اسکی ایک ایک بوٹی تمام تبتیوں نے نوچ نوچ کر کھا لی۔ اور اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا اس تباہی میں سے بجز ایک ڈوگرہ کے اور کوئی بھی نہ بچا۔ اُس ڈوگرہ کا نام منتھ بستی رام تھا۔ جو المورا کے پہاڑوں سے ہو کر ہندوستان میں پہونچا۔ اور جب وہ وہاں پہونچا۔ تو پھر ڈوگرہ فوج کی اس نہایت افسوسناک تباہی کی خبر حکام بالا کو ہوئی ✣

ڈوگرہ فوج کی تباہی کے بعد تبت خورد کی بغاوت اور دیوان ہری چند کی چڑھائی

ڈوگرہ فوج کی جو تباہی پورنگ میں ہوئی۔ اُس کی شہرت سنکر تبت خورد کے تمام نو مفتوح علاقون کو بغاوت کی سوجھی ۔ اور لداخ سے لیکر کشمیر کی حد تک سب کے سب سرکش ہو گئے۔ لداخ میں کلن ورچک کلن درگا اور ہورنا چین نے سرکشی اختیار کی۔ اور اسکردو میں احمد شاہ نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ حتی کہ ان سے چھوٹے درجے کے جو زمیندار۔ نمبردار یا رئیس اور سر آوردہ لوگ تھے۔ وہ بھی سب ان باغیون کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور خود مختاری کا دم بھرنے لگے ÷

اس بغاوت کا اسقدر زور بڑھا۔ کہ پورنگ سے ڈوگرہ سردارون اور فوج کی جو مستورات کی ٹولی زیر کمان کمیدان پہلوان سنگھ اور منشی گورند تا کوچ اور مقام کرتے ہوئے لداخ میں داخل ہوئے +

باغیون کے خوف سے یہان اُن کو قلعہ میں جا کر پناہ لینی پڑی۔ اور چھ ماہ تک بامید امداد اسی قلعہ میں بند رہنا پڑا۔ لیکن بمقابلہ باغیون کے قلعہ میں پناہ لینے والون کی اور قلعہ گیر فوج کی تعداد اس قدر کم تھی۔ کہ اگر کمیدان تیغ سنگھ جس کو روانگی کشمیر کا حکم ہو چکا تھا۔ اور جو کشمیر کا سفر کرتے ہوئے لداخ سے بہت دور ہو گیا تھا۔ اگر ڈوگرہ فوج کی تباہی کی شہرت سنکر اپنی پلٹن کو جس کا نام فتح پلٹن ہے۔ واپس کر کے اُس پلٹن کے سمیت قلعہ میں داخل نہ ہوتا۔ تو قلعہ لداخ بھی معہ پناہ گیرون اور قلعہ گیر فوج کے باغیون کے قبضہ میں آجاتا +

اب جمون کی خبر سنئے۔ جب یہان فوج کی تباہی اور تبتیون کی بغاوت اور ڈوگرہ

مستورات کے لداخ میں محصور ہونیکی خبر پہونچی۔ گھر گھر ماتم پڑ گیا۔ انتقام گیری کا جوش سب کے دل میں پیدا ہوا۔ اور لداخ کے محصورین کی امداد اور ہمدردی کی پرجوش پکار سے تمام ملک گونج اوٹھا +

مہاراجہ گلاب سنگھ اس وقت ہزارہ میں تھا۔ اور جرنیل پالک کیواسطے جو پشاور میں تھا۔ رسد رسانی کا انتظام کر رہا تھا۔ کہ ماہ پھاگن ۱۸۹۸ سنہ بکرمی میں اُس کو بھی معلوم ہوا۔ کہ جانباز اور بہادر سردار زور آور سنگھ معہ ماتحت فوج کے پورنگ میں مارا گیا۔ اور نومفتوح علاقہ سب ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اس خبر سے اُس کو اس قدر رنج ہوا۔ کہ جس کا ذکر کرنا بہت مشکل ہے۔ بہرحال طبیعت کو قابو کیا۔ اور انتقام گیری کا ارادہ کر لیا۔ بس اب کیا تھا۔ بحکم مہاراجہ شیر سنگھ اپنا چارج پوربیہ پلٹن کو دیکر حسن ابدال کی راہ پکڑی۔ یہاں سے ہری پور ۱۵۰ میل کے فاصلہ پر تھا جس مسافت کو دیوان ہری چند نے ایک ہی دن میں طے کیا۔ یہاں اس نے ایک دن کا وقفہ ڈالکر اور راجہ دھیان سنگھ سے مشورہ کر کے فوراً میرپور کو روانہ ہو گیا +

میرپور میں دیوان ہری چند نے پندرہ روز تک قیام رکھا۔ اور فوج کی کمان تقسیم کر کے آخر کار چھ ہزار فوج اور کچھ توپین لیکر از راہ اوڑی منزلین مارتا ہوا۔ کشمیر میں پہونچا۔ کشمیر میں چونکہ آیندہ سفر کیلئے مزدورون کی ضرورت تھی۔ اس واسطے دیوان صاحب مذکور کو یہاں بھی دو ہفتون کا قیام کرنا پڑا۔ اور اس عرصہ میں شیخ محی الدین گورنر کشمیر کا مہمان بنا رہا +

پندرھوین روز شیخ محی الدین نے پانچ ہزار مزدور بہم پہونچا دیے۔ اور مہم نے آیندہ سفر شروع کر کے آٹھوین دن دراس میں قیام کیا۔ جہاں کا تھانہ دار تکمنا تھا۔ تھانہ دار مذکور کو جس وقت مہم مذکور نظر آئی۔ خوشی کے مارے آنکھون سے پانی جاری ہوا۔ اور وفور شادی سے نعرہ مارتا ہوا آگے جا ملا +

اس وقت دیوان ہری چند کے پاس ایک رپورٹ سوچیتا تھانہ دار کرگل

کی پہونچی - اُس میں اُس نے لکھا تھا - کہ مدد فوراً پہونچے - ورنہ میرا اور میرے ماتحتون کا خاتمہ ہو جائیگا +

اب باغیون کا حال سنئے - انہون نے جب سُنا - کہ اُن کی سرکوبی کے لئے ڈوگرون کی مہم آرہی ہے - تو مہم مذکور کے سدراہ ہونے کے لئے انہون نے دریائے سندہ پر دو زبردست برج بنائے اور نیت یہ کی - کہ جب ڈوگرہ فوج اس موقعہ پر پہونچے - تو ان برجون میں سے اُن پر بندوقون کی بوچھاڑ کر کے اُن کو آگے نہ بڑہنے دینگے - اور یہان ہی مار ڈالینگے +

لیکن دیوان ہری چند ایک جنگ آزمودہ شخص تھا - اُس نے آیندہ راستہ کی کیفیت اور ان برجون کی حالت پہلے سے ہی دریافت کر رکھی تھی - ادہر تو اُس نے جمعدار رام سنگھ کو تین ہزار فوج اور کچھہ توپین دیکر کرنگل کو روانہ کر دیا - کہ وہان پہونچکر باغیون کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کرے - ادہر حسب مشورے اور شمولیت وزیر رتنو کے کمال احتیاط کے ساتھ آگے بڑہنا شروع کیا - اور برجون کے نزدیک پہونچکر ایک طرف سے وزیر رتنو نے اور دوسری طرف سے اُس فوج نے جو دیوان مذکور نے اس کام کے لئے خود اپنے ماتحت رکھی تھی - گولہ باری شروع کر دی - بلتی لوگ اپنی طرف سے جان توڑ کر لڑے - لیکن اُنپر صرف دیوان یا وزیر کی ماتحت والی فوجین ہی حملہ آور نہ ہیں - بلکہ جو ڈوگرے قلعہ مین محصور تھے - وہ بھی قلعہ سے نکلکر پیچھے سے اُن پر ٹوٹ پڑے - اور اسطرح سے بلتیون کا ناک میں ایسا دم آیا - کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والی بات ہو گئی - اور آخر کار اُن کے ایسے پیر اوکھڑے - کہ بہت آدمی گھبرا کر دریا میں ڈوب مرے - بلتیون کا نقصان اس جنگ میں دو سو آدمیون کی ہلاکت ظاہر کیا گیا ہے - لیکن ڈوگرون کا نقصان کچھہ بھی نہیں بتایا گیا ہے فتح حاصل کرنے کے بعد ڈوگرون نے دریا کو عبور کیا - دونون برجون کو گرادیا - اور قلعہ میں داخل ہو کر ایک دن قیام رکھا - جس قیام میں ایک نو

جنگ کے نقصان شدہ سپاہیون کو جو مر گئے تھے۔ پھونک ڈالا۔ جو زخمی ہو گئے تھے۔ اُن کی مرہم پٹی کی۔ اور جو سپاہی گھیرے میں آئے ہوئے تھے۔ اُن کے بہادرانہ مقابلہ کی بہت تعریف کر کے فی سپاہی بیس بیس روپیہ انعام دیا +

دوسرے دن ہم آگے کو بڑہی۔ اور ایک موقعہ پر خبر ملی۔ کہ چھک اوت اور علیخان پشکومہ مقابلہ کرنیکو آ رہے ہیں۔ جس پر دیوان ہری چند دو پلٹنین اور ایک دستہ رسالہ کا لیکر اُن کے مقابلہ کے لئے خود بڑھا۔ لیکن چھک اوت معہ فوج کے دم دبا کر بھاگ نکلا۔ البتہ علی خان پشکومہ معہ اپنے دو سو ہمراہیون کے جنگ آزما ہو کر کالو برہمن کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور بوجہ اُس کی ہلاکت کے اُس کے باقی آدمی بھاگ نکلے۔ دیوان مذکور نے کالو برہمن کو اس بہادری کے صلہ میں جمعدار بنایا اور سونے کا ایک کنٹھا بخشا +

یہان فوج نے دو تین یوم قیام رکھا۔ اور تازہ دم ہو کر بلبہ اور لمبرو کا رخ کیا اور یہان بھی دو دن قیام رہا۔ پھر مہم مذکور کوچ کر کے فلسی کو پہونچی +

جنگ چمرا اور نواسان اور تبتیون کی کامل شکست

جب دیوان ہری چند معہ اپنی فوج کے فلسی میں پہونچا۔ تو دیکھتا کیا ہے کہ تبتیون نے دریائے سندھ کے اُس پل کو جو اس جگہ تھا۔ نیست و نابود کر کے دریا کا پانی اسطرح سے روک رکھا تھا۔ کہ جس علاقہ میں سے ہو کر دیوان مذکور کی ماتحت فوج نے گذر کرنا تھا۔ وہ علاقہ سر بسر غرق آب ہو گیا۔ اس چند روزہ قیام میں ڈوگرون نے صرف دریا پر پھر ایک نیا پل ہی نہیں بنایا۔ بلکہ بند توڑ کر وہ تمام پانی بھی خارج کر دیا۔ جس نے کہ سفر کرنے کا تمام راستہ غرق آب کر رکھا تھا۔ یہ دونون کام بہت مشکل تھے لیکن

ڈوگروں کی سخت جانفشانی سے سہل ہو گئے ۔ یہ پل ابھی موجود ہے ۔ اور بجز اُس کے اور کوئی راستہ نہیں ہے ۔ جس کے بعد فوج نے کوچ کیا ۔ اور آخرکار چند یوم کے بعد ٹنگم میں جا داخل ہوئی ۔ جہاں دیوان نے کل فوج کے دو حصے کر دئے ۔ جن میں سے ایک حصہ یا ڈویزن کی کمان اُس نے وزیر رتنو کو دی ۔ اور دوسرا حصہ اپنے ماتحت رکھا ۔ وزیر رتنو کی فوج دریا کے کنارہ کنارہ اُسی سے اوپر کی جانب چل پڑی ۔ یعنے اوسطرف کو روانہ ہوئی ۔ کہ جس طرف سے دریا آتا ہے ۔ اور دیوان ہری چند کی فوج نے ایک اور جانب سے پیش قدمی کی ۔ راستہ میں دشمن سے فوج کے کسی ڈویزن کا بھی ٹاکرہ نہ ہوا لیکن لداخ سے دو میل کے فاصلہ پر معلوم ہوا ۔ کہ چھانگ ادت کی جانب سے چھ سات ہزار آدمیوں کی فوج اُنکے مقابلہ کے لئے اُس جگہ موجود ہے +

مگر دیوان ہری چند ایسا خوش نصیب نکلا ۔ کہ اُس کی فوج کی آمد کا آواز سنکر تبتی لوگ یہاں سے بھی مقابلہ کرنے کے بغیر ہی کافور ہو گئے ۔ اور ڈوگروں نے اس مقام کو بھی ایک بندوق چلانیکے بغیر ہی سر کر لیا ۔ اب ڈوگروں نے قلعہ لداخ کو جو کہ مدت سے محصور تھا مخلصی دینے کے لئے جلد جلد قدم اُٹھائے ۔ اور لداخ میں پہونچنے پر بھی کوئی جنگ نہ ہوا +

چھانگ ادت کا بھائی جس نے اس قلعہ کا محاصرہ ڈال رکھا تھا ۔ ڈوگروں کی شکل دیکھتے ہی محاصرہ اُٹھا کر نوک دم بھاگ نکلا ۔ لیکن محصورین کے اب اسقدر حوصلے بڑھے ہے ۔ کہ اُن میں سے پہلوان سنگھ ۔ تیغ سنگھ ۔ اور منشی گوراندتہ نے اُس کا سخت تعاقب کیا +

دوسرے دن دیوان ہری چند نے موضع بھرنگ میں قیام کیا ۔ یہ گانو لداخ سے دو میل آگے ہے ۔ یہاں سے کشمیری مزدور انعام پا کر رخصت کئے گئے ۔ اور قلعہ لداخ کی محصور فوج کو چھ ماہ تک دشمن کے آگے رہنے اور کمیدان پہلوان سنگھ ۔ تیغ سنگھ اور منشی گورندتا کے احکام کی تابعداری

کرنیکے صلہ میں پانسو روپیہ بطور انعام ملے۔ مگر جن سپاہیون کو زخم لگے تھے
اُن کو علاوہ پانسو روپیون میں سے حصہ پانیکے فی سپاہی بیس بیس روپیہ ملے
انعامون کی تقسیم کے بعد ایک ہزار جوان میان جواہر سنگھ کے زیر کمان جسکار کا
علاقہ سر کرنیکو۔ اور پانسو جوان زیر کمان ایک زانیان میان کے لوبراہ کا قبضہ
کرنیکو بھیجے گئے ✢

چھک اہنت اسوقت قلعہ رودک میں تھا۔ جب اُس نے سنا کہ ڈوگرے
جسکار اور لوبراہ پر بھی چڑہائی کرنے لگے ہیں۔ تو اپنے بھائی کو جسکا نام اچھن جوت
تھا۔ ایک ہزار جوان دیکر جسکار اور لوبراہ کیطرف بڑہنے والے ڈوگرون
کی روک تہام کے لئے روانہ کیا۔ بلکہ اب کی دفعہ اُس کے ساتھ اور بھی
ایک سردار کو جسکا نام کرن شاہ تھا۔ اور جو کیلون کے راجہ کا بھائی تھا لگا دیا۔

جب اچھن جوت چمراہ کے مندر کے قریب پہونچا۔ جہان سے لداخ دس
کوس پرے رہ جاتا ہے۔ تو اُس نے ڈوگرون پر چھاپہ مارنیکی ٹھہرائی۔
لیکن یہ راز کسی طرح مندر نرکہانہ کے پوجاری پر کہلگیا۔ جس نے اس کی اطلاع
دیوان کو فوراً دیدی۔ اور اُس نے کسیقدر اور فوج کو زیر کمان میان
سرہور سنگھ اور منشی گورانڈتا کے اس غرض سے روانہ کیا۔ کہ راستہ میں موقعہ
دیکھکر اچھن جوت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرے۔ اور اس ہی وقت پر اپنے
سابقہ روانہ شدہ بھائیون کا ہاتھ ہٹاوے ✢

چنانچہ چمراہ کے مندر کے قریب اس فوج کا تبتیون کے ساتھ مقابلہ ہو گیا۔
اور لڑائی چھڑ گئی جس میں تبتیون نے سخت شکست کہا کر قلعہ چمراہ میں
پناہ لی۔ مگر فتح یاب ڈوگرون نے یہان اُن کو محصور کر لیا۔ جب دیوان
ہری چند کو اس فتح کی خبر ملی۔ اور اُس نے سنا۔ کہ اُس کی فوج نے تبتیون
پر محاصرہ ڈال رکھا ہے۔ تو جس قدر فوج لداخ میں تھی۔ اُس میں سے صرف
ایک پلٹن کو لداخ میں چھوڑ کر باقی تمام فوج کو ہمراہ لیکر اپنی محاصرہ کرنے والے

بہادر ڈوگرون کی مدد کو پہونچا۔ تبتیون نے محصور ہوکر سخت مقابلہ کیا۔ لیکن ڈوگرون نے اُس کے مندر نما قلعہ کی دیوارون میں تین چار شگاف کر کے اندر اُس میں راستہ بنا ڈالے۔ اور اُن کا پانی بھی بند کر دیا۔ بلکہ چوتھی روز اُن کے پاس کچھ کہانیکو بھی نہ رہا +

جب اس طرح سے تبتیون کا دم ناک میں آیا۔ تو اُنہون نے امان چاہی۔ اور چند رعایتون کے حاصل ہونے پر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور اپنے آپ کو فتح یاب ڈوگرون کے رحم پر چھوڑ دیا +

دروازہ کے کھلنے پر دیوان ہری چند کے حکم سے بخشی۔ نہال چند قلعہ کے اندر داخل ہوا۔ جہان تبتیون کے ہتھیار چھینے گئے۔ اور سواے چھ سو نامی اشخاص کے باقی تمام تبتی چھوڑ دے گئے +

جو تبتی اسیر سلطانی بنائے گئے تھے۔ ان میں اہچن جوت اور کرن شاہ بھی شامل تھا۔ جو معہ دیگر تمام قیدیون کے لداخ کو روانہ کئے گئے ۔

اس فتح کے بعد دیوان ہری چند چار یوم تک وہان ہی قیام پذیر رہا۔ اور لوگون کے ساتھ اُس نے ایسا عمدہ برتاو کیا۔ کہ امن بخوبی قایم ہو گیا۔ چار یوم کے بعد اُس جگہ کی حکومت دیوان مذکور نے میان سردہو سنگھ اور رانجی مل کے سپرد کر کے خود لداخ کو چلا آیا۔ جہان سے اس فتح کی ایک مفصل رپورٹ اس نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو لکھی جس کے جواب میں اُس کو حکم آیا۔ کہ جو تبتی سردار جنگ میں قید ہوئے ہیں۔ اُن کی عزت کیجائے اور اُن کے ساتھ مہربانی اور فیاضی سے سلوک کیا جائے۔ آٹھ دن کی قید کے بعد تبتی سردارون کے حوصلے ایسے ٹوٹے کہ اول تو اُنہون نے شور کیا۔ کہ ہم لوگ آزاد کیون نہیں کیجاتے۔ اور جب دیکھا۔ کہ اُن کے شور و غوغا پر کوئی بھی توجہ نہیں کرتا ہے۔ تو اپنے پہرہ والون پر حملہ آور ہونیکے بعد سب کے سب بھاگ نکلے۔ بعضے پگھہ ونڈیون کے ذریعہ چل پڑے

بعضون نے پہاڑون کی چٹانون پر چڑھ کے اپنے تعاقب کرنے والون پر پتھر برسانے شروع کئے +

اور پہاڑون کی چوٹیون پر بوجہ گھبراہٹ کے ایسی بے احتیاطی سے چڑھتے تھے کہ لوٹ پوٹ ہوکر ایک دوسرے پر گر پڑتے تھے +

اس طرح سے ان کوتاہ اندیش بے ہتھیا بھاگتے ہوئے تبتیون کا ڈوگرون کے ساتھ ایک اور جنگ ہوا جس میں دو سو تبتی قیدی اپنی جان پر کھیل گئے اور چار سو پھر زندہ گرفتار ہوئے +

جب چھک ادت کو معلوم ہوا کہ اُس کا بھائی معہ دیگر سرداروں کے ہمراہ کے جنگ میں شکست کھا کر قید ہو گئے ہیں۔ تو آگ بگولا ہوکر بہ شمولیت دیگر نامی جنگی سرداروں کے جنکے نام چھپابدت۔ برگو مکھن اور زیر شے کہ پھر چھک اپنی فوج کو لیکر ایک مقام پر پہونچا جہان سے لداخ صرف ۱۲ کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اور اس موقعہ پر سخت مقابلہ کرنیکی نیت سے اُس نے اپنی فوج کی پناہ کے لئے اپنے کیمپ کے گرد ایک نہایت مضبوط دیوار کھینچ لی۔ ادہر جب سردہور سنگھ اور رامجی مل کو معلوم ہوا کہ دشمن ایک فوج کثیر لیکر ایک طوفان عظیم کیطرح بڑھ رہا ہے۔ تو اس خوف سے کہ مبادا دشمن دفعتاً آپڑے۔ اور چھاپہ مارے۔ انہون نے فوراً دیوان کو ایک رپورٹ بھیجی جس سے خبر پاتے ہی لداخ میں دیوان مذکور نے پہرہ کیواسطے صرف ایک سو جوان چھوڑے۔ اور باقی تمام فوج کو ہمراہ لیکر رام جی مل اور میان سردہور سنگھ کی حمایت کو پہونچا۔ اور قلعہ درگا کے قریب پہونچکر قیام کیا۔ جہان جہان چھک ادت نے دفعتاً بوقت شب چھاپہ مارا۔ مگر دیوان اُسکی شبخونی کا جواب دینے کو پہلے سے ہی تیار بیٹھا تھا +

اس جنگ میں ڈوگرون نے صرف آگ برسانی ہی شروع نہیں کی۔ بلکہ نشانے وہ تاک تاک کر مارے۔ جو تبتیون کا سردار نظر آیا۔ چت کر دیا اور ساتھ ہی آگے کو بھی بڑھتے گئے۔ جس سے اُن کے بالکل قریب آجانے پر دست بدستی

جنگ بھی شروع ہوا۔ جو نہایت تندی کے ساتھ دیڑھ گھنٹہ تک جاری رہا جسکے بعد اہل تبت نے ہر طرف سے بھاگنا اور ڈوگرون نے ان کا تعاقب کرنا شروع کیا۔ حتی کہ اہل تبت نے بھاگتے بھاگتے قلعہ نواسان میں پناہ لی۔ اور ڈوگرون نے اُن کا گھیرا ڈال لیا +

مگر اہل تبت بہ نسبت پیشتر کے یہان بہت سخت خطرناک ثابت ہوئے۔ کیونکہ محاصرہ کے چوتھے دن انہون نے ایک سرنگ اُڑائی۔ جس سے قریب تین سو ڈوگرون کے مارے گئے۔ جن میں بنا سنگھ کمیدان بھی جو کہ ڈوگرون کا ایک نامی سردار تھا۔ شامل تھا +

قلعہ روکھہ سون ۸ دن تک محصور رہا۔ آٹھوین دن محصورین کی خوراک ختم ہوگئی۔ جس پر انہون نے امان پانیکی خواہش ظاہر کی۔ اور قاضی نادر علی اور وزیر منصدی اُن کے پاس بھیجے گئے۔ جنہون نے قلعہ مین داخل ہو کر تمام تبتی فوج کے ہتھیار لیکر افسرون کو نظر بند کیا۔ اور عام سپاہیونکو رخصت کر دیا +

تبت والون کے جو سردار یا فوجی افسر اس جنگ مین قید ہوئے تھے۔ انمین سے بہت نامور سردارون کے نام حسب ذیل ہیں +

مورنی جن جو ایک گنپے کا راجہ تھا۔ احمد شاہ والئے اسکردو۔ کلہن زرجنگ برمان اچھہ جوت کرن شاہ۔ اور بزگوہ کلھی جو لداخ مین جانا نہیں چاہتا تھا۔ اور مقابلہ کرنے پر مارا گیا +

میان زورآور سنگھ کلہوریہ کے مارے جانے پر جو توپین بندوقین اور دیگر اسلاح اہل تبت کے ہاتھہ آئے تھے۔ ڈوگرون کو اس جنگ مین وہ ہتھیار اور دیگر سامان سربسر ہاتھہ آگئے۔ فتح حاصل کرنے کے بعد دیوان ہری چند نے تبت والون کا ایک مشہور قلعہ بامیان تھا گروا دیا۔ اور بوجہ علیل ہو جانے کے ملک کا انتظام وزیر رتنو کے سپرد کر کے خود لداخ کو چلا آیا۔ جہان سے اُس نے اس فتح کی ایک مفصل رپورٹ مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس ارسال کی

جموں میں اس فتح کی یادگاری میں توپوں کی سلامی ہوئی - اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد لداخ میں دیوان کے پاس یہہ حکم پہونچا جس کے مطابق ۲ ماہ اسوج سنہ ۱۹۱۹ کو دربار عام لگایا گیا - جس میں چھک ادت - کرن شاہ - اور زورچنگ ہرمان کو خلعتیں دی گئیں - اور ایک عہد نامہ پر جو ذیل میں درج ہے - اُن سے دستخط کرالئے جانیکے بعد وہ رخصت کئے گئے ✦

نقل عہد نامہ مابین مختار الدولہ دیوان ہری چند و وزیر رتنو مختاران مہاراجہ گلاب سنگھ

یہ عہد نامہ ۲ ماہ اسوج سنہ ۱۸۹۹ بکرمی میں لکھا گیا - مہاراجہ گلاب سنگھ کیطرف سے اس پر مختار الدولہ دیوان ہری چند اور وزیر رتنو نے اور سرکار چین کیطرف سے بخشی سنجوہ افسر افواج خاقان چین - اور لاسہ کیطرف سے قلون سوکان والہ نے دستخط کئے -

اس عہد نامہ میں حسب ذیل تین شرایط تہیں -

شرط اول - لاسہ اور چین کی جانب سے صلح وصفائی اور رابطہ اتحاد قایم رکہا جایگا - اور مہاراجہ گلاب سنگہ کیطرف سے بھی اس شرط میں کوئی خلاف ورزی نہوگی -

شرط دویم - حدود لداخ جو قدیم سے مقرر ہے - اُس میں لاسہ کسی قسم کی دست اندازی نہ کریگا -

شرط سویم - پشم شال اور چائے جو سال بسال لداخ کے راستہ آتی ہے - بدستور یہی جایا کریگی - اور لداخ کے راستہ جو سوداگر لوگ آمدورفت کرتے ہیں - اون کے ساتہہ کسی قسم کی مزاحمت نہیں کیجایگی -

شرط چہارم - مہاراجہ گلاب سنگھ کے کسی مخالف کو حدود لاسہ میں رہنے کی اجازت نہوگی - نہ اوسکی کسی بات پر توجہ ہوگی -

مہاراجہ گلاب سنگھ - دہیان سنگھ اور سوچیت سنگھ کا راجہ بنایا جانا

میان ڈیڈو کا خاتمہ کرنے کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو کوہستان بودل اور خسالی کے فتح کرنیکا بھی حکمدیا - چنانچہ اُس نے ان دونون پہاڑون کو بھی معہ اور درمیانی علاقون کے جن پر چھوٹے چھوٹے اسلامیہ روسا حکمران تھے - عرصہ قلیل میں فتح کرلیا +

سکھون نے سندہ ملتان یا کسی اور جگہ میں ایسا کوئی جنگ نہیں کیا جس میں یہ تینون بھائی شامل نہ تھے - یا جس میں انہون نے نام پیدا نہ کیا ہو جیسی ان تینون بھائیون کی خدمات بڑی تہیں - ویسے ہی انہون نے انعام بھی بڑے حاصل کیے - حتی کہ تینون بھائی راجے بنائے گئے - اور سب کو جاگیرون پر جاگیرین ملیں - جمون مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملا - لیکن اُس نے وہان کی حکومت اپنے باپ کے حوالہ کردی - دہیان سنگھ کو خسالی اور بہمبر کا علاقہ بخشا گیا - اور سوچیت سنگھ کو رام نگر عطا ہوا - مگر سوچیت سنگھ پر چونکہ سب سے زیادہ مہربانی تھی - اسواسطے اُس کی کل جاگیر ڈیڑہ لاکھ روپیہ تک ہو گئی - اور دیگر بھائیون کو صرف ایک ایک لاکھ روپیہ کی جاگیر ملی تھی +

مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُس کے بھائیون کا عروج

بعضون کا خیال ہے - کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ان تینون بھائیون پر بیجا طرفداری کرتا تھا اور اس طرفداری کا باعث بھی کوئی ناجائز تھا - یہ ایک معاملہ ہی جسپر اس مختصر کتاب میں بحث کی گنجایش نہیں ہے - لیکن صاف بات تو یہ ہے

کہ یہ اُن کے دشمنون کو بھی ماننا پڑا ہے۔ کہ وہ بڑے دانا۔ دور اندیش اور معاملہ فہم تھے۔ بلکہ جو قیمتی خدمات انہون نے کی تہیں۔ حق پسند مورخون نے اُن کو صاف طور پر تسلیم کیا ہے۔ جاگیرون کے ملنے کے بعد یہ تینون بھائی خالصہ حکومت کے اہلکاران عظام میں شمار ہونے لگے۔ اور اُن کے سپرد وہی کام کیجاتے تھے۔ جنکی انجام دہی کے لئے بہت ہی معتبر اور قابل اعتبار افسرون کی ضرورت پڑتی تھی +

سنہ ۱۸۲۵ء میں ملتان کی فتح کے متعلق جمعدار خوشحال سنگھ پر اور مصیبت آئی دیوان چند مصر نے جو کہ فاتح ملتان تھا۔ شہر مذکور کی فتح کے متعلق اُس کی بہت بڑی شکایت کی۔ نتیجہ اس شکایت کا یہ ہوا۔ کہ جمعدار مذکور کی جگہ راجہ دہیان سنگھ دہیوڑی کا افسر مقرر ہوا۔ جو شخص مہاراجہ رنجیت سنگھ کی دہیوڑی کا افسر ہوتا تھا دراصل وزیر اعظم وہی ہوتا تھا۔ بلکہ سنہ ۱۸۸۳ میں وہ علانیہ طور پر وزیر اعظم ہی بنایا گیا۔ اور راجہ راجگان ہندوپت کا خطاب بھی اُس کو ملا۔

ہیرا سنگھ جو اُس کا بیٹا تھا۔ اُس کو بھی راجگی کا خطاب اور جسروٹہ میں جاگیر ملی +

گو کہ راجہ دہیان سنگھ بظاہر خالصہ حکومت کا وزیر تھا۔ جس عہدہ پر وہ اپنی قتل کے موقعہ تک تا عہد مہاراجہ شیر سنگھ برابر قایم رہا۔ لیکن دراصل مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیماری کے ایام میں وہ نایب سلطنت تھا۔ اور اُس کے مرجانے کے بعد بادشاہ وہی شخص بنتا تھا۔ جسکو کہ وہ بناتا تھا۔ سنہ ۱۸۲۹ء میں میان کشورا سنگھ جمون میں مر گیا۔ اُس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ اکہنور میں اور مہاراجہ گلاب سنگھ امرگڈہ میں تھا +

کشورا سنگھ کے مرنے پر جمون کی گدی مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دہیان سنگھ کو بخشی تھی۔ لیکن اُس نے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ ہمارے خاندان کی رسم ہے۔ کہ باپ کا جانشین بڑا بیٹا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ گدی مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملنی چاہیئے۔ چنانچہ اس پر مہاراجہ گلاب سنگھ

امر گڈھ سے اکھنور طلب ہوا جہان جیو پوتا کے درخت کے نیچے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو خود راج تلک لگایا۔ وہ درخت اور وہ جگہ اب تک وہان کے لوگون کو بخوبی معلوم ہے۔ جمون کی گدی حاصل ہونیکے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ لاہور کو کبھی کبھی جایا کرتا تھا

سمت ۱۸۸۴ مطابق سنہ ۱۸۲۷ع میں جب انگریزی سفارت بسرکردگی الگزنڈر برنس صاحب کے آئی۔ اوس کی آدبھگت اور پیشوائی کے لئے مہاراجہ گلاب سنگھ اور فقیر عزیز الدین مقرر ہوئے تھے۔ اس کے بعد سمت ۱۸۸۸ مطابق سنہ ۱۸۳۱ع میں جب لارڈ بنٹنگ صاحب بہادر اُس زمانہ کے گورنر جنرل ہند کے ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے جن چھہ نامی سردارون کو نواب گورنر جنرل موصوف کے پاس ابتدائی ملاقات کے لئے بھیجا۔ اُن میں سے ایک سردار مہاراجہ گلاب سنگھ بہادر تھے ÷ پھر لارڈ بنٹنگ موصوف کے ایام قیام اور رسم مہمانداری ادا کرنیکی حالتمیں جب لارڈ ممدوح کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سکھ سردارون کے جنگی کرتب دکھلائے۔ جن کی تعریف انگریزی افسرون نے بہت کی تھی۔ اس قسم کے کرتب کرنے والون میں سے پہلا کرتب راجہ دھیان سنگھ نے دکھایا تھا۔ جو عمدگی کے ساتھ مسلح ہوکر پوری آن بان کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر میدان میں نکلے۔ اس کے بعد پہلے مہاراجہ گلاب سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ یکے بعد دیگرے پوری شان وشوکت کے ساتھ آئے اور اُن کے پیچھے اور تین سردارون کی سواریان آئیں۔

سمت ۱۸۷۷ مطابق سنہ ۱۸۳۴ع میں مہاراجہ گلاب سنگھ کو پشاور کا صوبہ ملا۔ مگر وہان وہ بیمار ہوگئے۔ بوجہ جس کے ایک ماہ کی حکومت کے بعد وہ ضلع ہزارا کو تبدیل ہوئے۔ جہان لون میانی اور رتہاس کا علاقہ اُن کو اجارہ پر ملا۔

سمت ۱۸۹۴ مطابق سنہ ۱۸۳۷ع میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پوتے کنور نونہال سنگھ کی شادی ہوئی۔ تو راجہ دھیان سنگھ نے سوا لاکھ روپیہ اور مہاراجہ

گلاب سنگھ اور سوچیت سنگھ نے ایک ایک لاکھ روپیہ بطور تنبول کے پیش کیا +

مختصر بات یہ ہے۔ کہ یہ تینون بھائی صرف لاہور دربار کے اول درجہ کے سردار ہی نہیں تھے۔ بلکہ ان پر پیرانہ سال شیر پنجاب کی اسقدر مہربانی اور اعتبار تھا۔ کہ جو یہ چاہتے تھے۔ اُس سے کرا لیتے تھے +

مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اُس کے بیٹے کھڑک سنگھ کی وفات کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے ان کی برنجی مورتیان بنوا کر اُن کو اپنی پرستش گاہ میں اور ٹھاکرون کے ساتھ شامل کر دیا۔ اور مرتے دم تک اُن کی پوجا مثل دیوتاؤن کے کرتا تھا۔

متعصب مورخون کا تو یہ خیال ہے۔ کہ مہاراجہ گلاب سنگھ اپنے آقاؤن اور بادشاہون کی مورتیون کی پوجا۔ جن کی مہربانیون اور قدردانی سے اُنہون نے یہ عروج حاصل کیا تھا۔ صرف ظاہرداری۔ چالبازی اور حکمت عملی سے کرتے تھے۔ لیکن میری دانست میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی یہ حرکت کسی چالبازی یا ظاہرداری پر مبنی نہیں تھی۔ بلکہ باظہار اپنی شکرگذاری اور احسان مندی کے جسکا ادا کرنا ہر ایک سچے ہندو کا فرض ہے۔ اور خصوصاً مہاراجہ گلاب سنگھ جیسے مشہور و معروف دھرم آتما شخص کا اس قسم کا عقیدہ رکھنا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ سوام بھگتی یا سوامی کی بھگتی کرنا جسکو دوسرے لفظون میں ہم آقا پرستی کہہ سکتے ہیں۔ سچے ہندونکا ایک اعلیٰ قسم کا مذہبی فرض ہے +

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا عروج اُسکے بیٹے پوتے اور بہو کا خاتمہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی نمک حلالی

اس بات کو واضح طور پر ظاہر کرنے کے لئے کہ لاہور میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے دو بھائیون اور بیٹون کے تباہ ہونے کا کیا باعث ہوا۔ وہ خود کسطرح بچا اور اُس نے موجودہ ریاست جمون و کشمیر کی بنیاد کسطرح ڈالی۔ یہان مہاراجہ

رنجیت سنگھ کی سلطنت کے عروج و زوال کا مختصر سا حال بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت اور خاندان کا مورث اعلیٰ اُسکا دادا سردار چڑہت سنگھ تھا۔ سوکرچکیا مثل اسی سردار نے قایم کی تھی۔ جس کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے مہا سنگھ نے اس مثل کے ساتھ قصبہ رام نگر کو بھی ملحق کیا + اور جموں کی لوٹ مار سے بھی اس مثل کو دولتمند بنا دیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ سردار مہا سنگھ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اور جسوقت سردار مہا سنگھ سنہ ۱۷۹۲ء میں فوت ہوا۔ اُس وقت رنجیت سنگھ کی عمر جو کہ سنہ ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ صرف ۱۲ برس کی تھی +

سردار مہا سنگھ کی موت کے بعد سوکرچکیا مثل کی حکومت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام سے اُس کی والدہ جسکا نام ہلواَین تھا کرنے لگی۔ اور سدا کور جو مہاراجہ موصوف کی ساس تھی۔ وہ بھی اس حکومت میں ہاتھ بٹاتی تھی +

سنہ ۱۷۹۷ء میں جبکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ۱۷ برس کا ہوگیا۔ اُس نے اپنی مثل کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیلی۔ پہلا کام اُس کی حکومت کا یہ تھا۔ کہ ایک دن صبح دم اُس نے اپنی ماں کو جسکو وہ بدچلن خیال کرتا تھا۔ قتل کرڈالا۔ لیکن لایق مصر جسکو وہ اپنی والدہ کا آشنا خیال کرتا تھا۔ اوس وقت تو بھاگ نکلا۔ البتہ عرصہ قلیل میں ہی سدا کور کی مدد سے گرفتار ہو کر ملک عدم میں پھینکا گیا +

رنجیت سنگھ ایک انپڑھ شخص تھا۔ لیکن بوجہ اس کے کہ اُسکو شکار کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ شہ سواری اور تلوار چلانے میں اوس کا جوڑا کوئی بھی نہ تھا۔

رنجیت سنگھ ایک ایسے وقت میں پیدا ہوا تھا۔ جبکہ ملک میں سخت ہلچل ہو رہی تھی۔ یہ احمد شاہ ابدالی کے آٹھویں حملہ کا وقت تھا۔ جو اُس نے سنہ ۱۷۶۷ء میں کیا تھا۔ اس حملہ کے بعد راولپنڈی اور دریائے جمنا کے مابین جس قدر ملک ہے۔ اُس کی حکومت سکھوں کے ہاتھ آگئی۔ جنہوں نے پنجاب میں اپنی

بارہ مثلین قایم کرلین۔

سنہ ۱۷۹۸ء میں جونہی شاہزمان جس نے ایک لشکر عظیم کے ساتھ ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ لوٹ مچاتا ہوا کابل کو لوٹا۔ تو مہاراجہ رنجیت سنگھ معہ دیگر سکھ سرداران کے گرد ونواح کے پہاڑون میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ واپس آگیا اور اپنے مثل میں داخل ہوتے ہی اُس نے دریائے جہلم میں سے شاہزمان کی چند توپین جو اُس کی واپسی کے وقت دریا میں گر پڑی تھیں۔ نکلوا کر شاہ موصوف کے پاس بھجوادین اس خدمت کے صلہ میں شاہ زمان نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا شکریہ ادا کیا۔ اور آیندہ کے واسطے اُس کا دوست بنگیا۔

اب مہاراجہ رنجیت سنگھ کو جب شاہزمان کا کچھہ بھی خوف نہ رہا۔ تو اپنی حکومت بڑھانی شروع کردی۔ بوجہ جس کے گرد ونواح کے سردارون نے کچھ تو خوف سے اور کچھہ رشک سے اُس کی قتل کا منصوبہ باندھا۔

اس منصوبہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دن جب مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ کہ اُس کا جانی دشمن حشمت خان جو کہ چھٹہ قوم کا سردار تھا یکایک ایک جھاڑی میں سے نکلکر اُس پر حملہ آور ہوا۔ لیکن جسکو خدا بچائے اُس کو کون مار سکتا ہے۔ حشمت خان کا یہ وار خالی گیا۔ خوش نصیب اور بہادر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بال بھی بیکا نہوا۔ تلوار کا جو وار اُس پر ہوا تھا۔ اُس سے صرف کسیقدر گھوڑے کی لگام کٹ گئی۔ جس پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنا گھوڑا پھیر کر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ صاف کیا۔ کہ دشمن وہان ہی اسپ زندگی سے گر کر چیت ہو گیا۔

اس بہادری سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بڑی شہرت ہوئی۔ بلکہ یہی کارنامہ اُس کی آیندہ عظمت اور ترقی کا باعث ہوا۔ اُس دن سے اُس نے باتفاق سردار فتح سنگھ اہلوو الیہ بانی ریاست کپورتھلہ اور سدا کور کے ہر طرف ملک گیری اختیار کی۔ اور گرد ونواح کے سردارون پر اپنا رعب قایم کرنا شروع کیا۔

سنہ ۱۸۰۰ء میں اُس نے لاہور سر کرایا۔ جس کو اُس نے اپنا صدر مقام بنا کر یہاں اُس نے سنہ ۱۸۰۱ء میں راجگی کا خطاب حاصل کیا۔ اور اپنا سکہ چلایا +

اب اُس کے سرداروں نے جن میں سے نہایت بہادر اور سورمے دیوان محکم چند۔ دیوان رام دیال۔ دیوان چند مصر۔ ہری سنگھ نلوا (جس کے نام سے پٹھانوں کا پیشاب خطا ہوتا تھا) پھولا سنگھ اکالی۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ تھے۔ ہر طرف سے حملے کرنے شروع کر دے۔ اور تھوڑے عرصہ میں ہی ایک طرف سے تو انہوں نے ملتان اور کچھ حصہ سندہ کا فتح کر لیا۔ دوسری طرف سے پشاور اور قلعہ جمرود تک سر کر لیا تیسری طرف سے تبت خورد میں گھس کر تبت کلاں پر قابض ہونے پر آمادہ ہوئے چوتھی طرف خود مہاراجہ رنجیت سنگھ دریائے ستلج کے پار چلا گیا۔ اور ملک گیری کرتا ہوا دو دفعہ پٹیالہ میں داخل ہوا۔ اور انبالہ کا بہت سا علاقہ بھی اپنی سلطنت میں ملا کر واپس لوٹا +

مختصر بات یہ ہے۔ کہ سنہ ۱۸۰۰ء سے سنہ ۱۸۲۳ء تک مشرق اور مغرب میں ستلج سے جمرود تک اور شمال سے جنوب میں لداخ اور سندہ تک تمام ملک اُس نے فتح کر لیا +

اب امیر کابل کا کسی کو خوف نہ تھا۔ بلکہ شیر پنجاب ہی سب جگہ عزت اور خوف کی نظر سے دیکھا جاتا تھا +

انگریزوں نے سنہ ۱۸۰۶ء میں اس خوف سے کہ اہل فرانس ہندوستان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ ایک عہدنامہ کیا۔

ستلج کے پار جسقدر والیان ملک تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام سے اس قدر کانپتے تھے۔ کہ دہلی میں انگریزوں کا جو پولیٹیکل ایجنٹ تھا۔ اوس سے انہوں نے درخواست کی کہ سرکار انگریزی ان پر اپنی حمایت کا سایہ ڈالے۔

سنہ ۱۸۱۳ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کابل کے شجاع الملک سے کوہ نور ہیرا جو ایک تواریخی ہیرا تھا۔ چھین لیا + [1]

وہ یہاں تک مشہور ہو گیا تھا۔ کہ سنہ ۱۸۲۰ء میں اُس کو زار روس کے ایک وزیر

---

[1] نوٹ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ہیرا کیرو اور پانڈوں کے عہد کا تھا اور سری کرشن مہاراج کے زیر استعمال بھی رہا ہے

نے بھی جس کا نام پرنس سیلیڈ تھا۔ سلسلہ اتحاد قایم کرنے کے لئے ایک خط بھیجا اور اُس کے دربار میں نظام حیدرآباد۔ حکومت نیپال اور تبت کے لامہ گورو و دیگر والیان سند کے ایلچی رہتے تھے +

شیر پنجاب بجز انگریزی شیر کے جس نے ایک طرف تو اُس کو ستلج کے آگے اور دوسری طرف سندھ کی جانب بڑھنے سے روک رکھا تھا۔ اور کسی سے نہیں ڈرتا تھا رنجیت سنگھ کے پاس اسی ہزار قواعد دان ایسی عمدہ فوج تھی۔ جو کہ کسی اور ہندوستانی والئے ملک کے پاس نہیں تھی +

جو یورپین جرنیل اُس کے ملازم تھے۔ انہون نے لاہور میں سنہری کارخانے جاری کئے اور بٹھیان قایم کر کے یورپ کی ساخت کے تمام اعلیٰ قسم کے جنگی ہتھیار مثل توپ اور بندوق کے تیار کرنے شروع کر دے +

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پہلی رانی کا نام مہتاب کور تھا۔ جو سردار گوربخش سنگھ والئے کنہیا مثل کی بیوہ مسماۃ سدا کور کی دختر تھی۔ مہتاب کور کے کوئی لڑکا بالا نہیں تھا۔ اس واسطے اُس کی والدہ سدا کور نے اُس کے واسطے سنہ ۱۸۰۷ء میں دو لڑکے خریدے۔ جن کا نام اُس نے شیر سنگھ اور تارا سنگھ رکھا۔ شیر سنگھ دراصل ایک چھینبے کا لڑکا اور تارا سنگھ سدا کور کی ایک مسلمان داسی کا لڑکا تھا +

دوسری رانی کا نام راج کور تھا۔ جو نکائی مثل کے سردار کی بیٹی تھی۔ کھڑک سنگھ اسی رانی کا لڑکا تھا۔ جو سنہ ۱۸۰۳ء میں پیدا ہوا۔ کھڑک سنگھ کا بیاہ چند کور کے ساتھ ہوا تھا۔ جو رام گڈھیہ مثل کے سردار جیمل سنگھ کی دختر اور کنور نونہال سنگھ کی والدہ تھی

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تیسری رانی جسکا نام دیا کور تھا۔ وہ بھی لاولد تھی۔ اس نے جموں کے ایک راجپوت کو خرید کر اس کا نام پشاورا سنگھ رکھا۔

مہاراجہ موصوف کی چوتھی رانی رتن کور کہلاتی تھی۔ یہ اصل میں مول سنگھ برجی والے کی عورت تھی۔ وہ جب مرگیا۔ تو صاحب سنگھ والی گجرات کی جورو بنی۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کانگڑہ فتح کیا تو راجہ سنسار چند کی جو کہ کانگڑہ کا اخیر ہندو راجہ تھا ایک گدن آشنا عورت معہ دو لڑکیون کے اُسکے قبضہ میں آئی اور گجرات کی فتح پر مہاراجہ رنجیت سنگھ

کے قبضہ میں آ کر اسکو رانی بنی۔ جس نے اُنکا حسن و جمال دیکھکر اُن کی والدہ کی درخواست پر پھر اُلگا کر بہ پابندی تمام مذہبی رسوم کے اُس کے ساتھ شادی کرلی۔ اخیر عورت مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ایک کنجری تھی۔ جو موران والی کنجری کے نام سے مشہور تھی۔ مہاراجہ مذکور اس طوایف کے ناز و ادا پر اس قدر فریفتہ ہوا۔ کہ آخر کار اُس کی خواہش ہوئی۔ کہ موران والی کنجری نے جس طرح سے اُس کے خانہ دل کو آباد کیا تھا۔ اسی طرح اپنی رہایش کا فخر اُس کے حرم سرا کو بھی بخشے۔ لیکن موران والی کنجری نے تب محلات شاہی میں قدم رکھا۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے قاضی کو بُلوا کر اس کے ساتھ اہل اسلام کی رسومات کے مطابق عقد نکاح پڑہا۔

محلات میں داخل ہونیکے ہی دیر تھی۔ کہ موران والی کنجری کا نام گلجان بیگم پڑا۔

رنجیت سنگھ ۵۹ برس کا ہو کر لاہور میں ۲۷- جون سنہ ۱۸۳۹ء کو مرا۔ اور مرنے سے پیشتر اُس نے راجہ دہیان سنگھ کو مدار المہام جزو کل بنا کر "نایب سلطنت عظمہ و خیر خواہ ضمیمہ دولت سرکار وزیر دستور مکرم مختار مدار المہام کل" کا خطاب بخشا۔

اپنی موت سے ایک برس پہلے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸ ماگھ سمت ۱۸۹۵ کو شہزادہ کھڑک سنگھ کو بھی اپنے ہاتھ سے راج تلک لگایا۔ اور اس رسم کو بڑی دھوم دھام سے ادا کیا۔

مہاراجہ موصوف کی وفات کے بعد مہاراجہ کھڑک سنگھ تخت نشین ہوا۔ اور مدار المہامی کے عہدے پر راجہ دہیان سنگھ بدستور قایم رہا۔

اب سلطنت کا زوال شروع ہوا۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ نے تخت پر رونق افروز ہوتے ہی راجہ دہیان سنگھ کو وزارت کے عہدے سے ہٹانے کی ٹھان لی تھی۔ جس کی وجہ اغلباً یہ تھی۔ کہ سکھ لوگ اپنی سلطنت میں تمام ذمہ داری کے عہدو نکو اپنی قوم کے قبضہ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اور ڈوگرون کی طاقت کو توڑنے کی فکر میں تھے۔ جو کہ ایک سخت نادانی تھی کیونکہ ڈوگرے اتنے بڑے ہوئے تھے۔ کہ سوائے سلطنت کی بربادی کے اُن کا برباد کرنا آسان نہ تھا۔

مختصر یہ ہے۔ کہ راجہ دھیان سنگھ کے مقابلہ میں مہاراجہ کھڑک سنگھ نے سردار چیت سنگھ کو کھڑا کیا۔ جس کا زور اس قدر بڑھا۔ کہ راجہ دھیان سنگھ کے برخلاف اوس نے ایک سازش قایم کر کے راجہ موصوف کی مخالفت اور بیخکنی پر اتر آیا۔ آخر کار یہ راز ظاہر ہوا۔ اور اب نفاق کی چنگاری علانیہ طور پر سب کو نظر آنے لگی۔ اور نوبت یہانتک پہونچی۔ کہ راجہ دھیان سنگھ نے بھی مایوسی کی حالت میں مہاراجہ کھڑک سنگھ کو تخت سے اُتارنے کی ٹھانی اور اُس کے برخلاف بہت سی غلط افواہین اڑا کر اور ہر طرح سے اُس کو بدنام کر کے اُس کے بیٹے نونہال سنگھ کے ساتھ سانٹھ گانٹھ کیا۔ جو پہلے سے ہی اپنے باپ سے کشیدہ خاطر تھا۔

اب معاملہ یہان تک بگڑا۔ کہ ایک دن راجہ دھیان سنگھ نے معہ اپنے دو بھائیون اور سرداران سندھانوالہ کے قلعہ پر (جو کہ مہاراجہ کھڑک سنگھ کی جائے رہایش تھی) چڑھائی کر دی۔ حملہ آور ٹولی بخوبی مسلح تھی۔ اور سب کے ہاتھون مین ننگی تلوارین تھین۔ اور سب کا ارادہ یہ تھا۔ کہ سردار چیت سنگھ کو مارے بغیر واپس نہ آئینگے۔

قلعہ کے دروازہ پر اس انتقام پسند ٹولی کا مقابلہ دربانون نے کیا۔ لیکن وہ سب مارے گئے۔ اور حملہ آور قلعہ مین داخل ہو گئے۔ یہان سب سے پہلے مہاراجہ کا گڈوبیہ مارا گیا۔ جس کے بعد سب کے چھکے چھوٹ گئے اور مقابلہ کرنیوالا کوئی بھی نہ رہا۔

اب خشم آلودہ جماعت بے روک ٹوک بدنصیب مہاراجہ کے کمرے مین جا گھسی۔ اور یہان چیت سنگھ کی جو کہ خوف کے مارے ایک اندھیرے کونے مین ایک چٹائی مین جا چھپا تھا۔ تلاش شروع ہوئی۔

جب چیت سنگھ پکڑا گیا۔ تو اپنی خطرناک حالت دیکھکر سخت رویا۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر سب سے جان بخشی کا خواہان ہوا۔ لیکن راجہ دھیان سنگھ کو یہ کب منظور تھا۔ کہ اُس کا دشمن جانبر ہو جائے۔ بلکہ اُس کو تسکین تب ہوئی۔ کہ جب اُس نے اجل رسیدہ سردار کا پیٹ اپنی تلوار سے خاص اپنے ہاتھ سے چاک کیا۔

اس موقعہ پر مہاراجہ کھڑک سنگھ بھی مارا جاتا۔ لیکن اُس کو اُس کی رانی اور لڑکے

نے بچا لیا۔ تاہم وہاں سے نکالکر وہ ایک اور مکان میں نظربند رکھا گیا۔ جہاں تین ماہ کی مختصر جیسی حکومت کے بعد وہ ۵ نومبر ۱۸۴۰ء کو کمال مصیبت کے ساتھ اپنے جسم عنصری کی قید سے آزاد ہوا۔ اور عام خیال یہ ہے۔ کہ اُس کو رسکپور کی زہریلی گولیاں دی گئی تھیں۔ اور آہستہ آہستہ وہی گولیاں اُس کی موت کا باعث ہوئیں مہاراجہ کھڑک سنگھ دو دفعہ افیون کھاتے اور بہت سست الوجود تھے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ مرتی دفعہ انہوں نے کنور نونہال سنگھ کو بددعا دی تھی۔ کہ تم نے تخت حاصل کرنے کے واسطے میرے برخلاف سازش کی ہے۔ لیکن میرے بعد تم بھی نہ بچو گے اور آخر کو ایسا ہی ہوا۔

مہاراجہ کھڑک سنگھ کو داہ دینے سے جب نونہال سنگھ فارغ ہوا۔ تو معہ میاں ادہم سنگھ کے جو مہاراجہ گلاب سنگھ کا بڑا بیٹا تھا۔ ہاتھی پر سوار ہو کر قلعہ کو لوٹا۔ جہاں کہ اُس کا محل تھا۔ لیکن باپ کے بعد وہ بھی نہ بچ سکا۔

ہاتھی کے حضوری باغ والے دروانہ میں داخل ہونے کی ہی دیر تھی۔ کہ دروازہ کی عمارت کا کچھ حصہ اوپر سے دونوں فیل سواروں کے سر پر دفعتاً گر پڑا۔ جس کے صدمے سے ادہم سنگھ تو فوراً مر گیا۔ لیکن نونہال سنگھ بیہوش ہو گیا۔ جس پر راجہ دہیان سنگھ اُس کو ایک پالکی میں ڈالکر محلات میں پہونچا - اور ایک ایسے کمرے میں جا رکھا۔ کہ جہاں اُس نے جب تک کہ نونہال سنگھ مر نہ گیا۔ کسی سردار یا اہلکار کو نہ آنے دیا۔ حتے کہ اُس کی والدہ چند کور اور اُسکی رانی کو بھی۔ جیتے جی اُس کے درشن ہونے دیئے البتہ اُس کی موت اُس وقت ظاہر کی گئی۔ جبکہ مہاراجہ شیر سنگھ رانی چند کور کی تخت نشینی کی مخالفت کے لئے دفعتاً لاہور میں داخل ہوا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ کنور نونہال سنگھ بہت چست و چالاک تھا۔ اور اس میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تمام اوصاف موجود تھے۔

کنور نونہال سنگھ کی موت جس غرض سے چھپائی گئی تھی۔ اور جس ارادہ سے شیر سنگھ لاہور میں داخل ہوا تھا۔ رانی چند کور ان باتوں کا مطلب فوراً تاڑ گئی۔

بوجہ جس کے اُس نے ادہر تو مشہور کیا۔ کہ نونہال سنگھ کی رانی حاملہ ہے۔ اور اودھر اپنے فرضی پیدا ہونے والے پوتے کی ولیہ بن کر اُس نے اہلکارون کی ایک کونسل مقرر کردی۔ اور اسی کونسل کے زیر مشورہ ملک کی حکومت کرنے لگی۔

رانی چندکور نے جو وزیرون کی مجلس قایم کی تھی۔ اُس کے حسب ذیل چار ممبر تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ۔ سردار لہنا سنگھ۔ سندہانوالہ سردار تیجا سنگھ اور جمعدار خوشحال سنگھ۔ میر مجلس ان چارون وزیرون کا اُس نے سردار عطر سنگھ سندہانوالہ کو بنایا۔ گویا دوسرے لفظون میں بجائے راجہ دہیان سنگھ کے سردار عطر سنگھ وزیر اعظم مقرر ہوا۔

جب راجہ دہیان سنگھ نے ایسی مخالف ہوا چلتی دیکھی اور شیر سنگھ کو ایسے وقت مین علانیہ طور پر تخت نشین کرانا مشکل پایا۔ تو چند یوم کے واسطے جمون چلا گیا۔ اور وہان سے شیر سنگھ کی مدد خفیہ طور پر کرتا رہا۔ اب نوبت یہان تک پہونچی۔ کہ شیر سنگھ نے دہیان سنگھ کو اپنا ممد پاکر فوج کو رشوت دیدی۔ اور ستر ہزار لشکر کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

یہ فوج شیر سنگھ کی یہان تک طرفدار ہو گئی۔ کہ آخرکار انہون نے اُس کو اپنا آیندہ فرمانروا قرار دیکر توپون کی شلک سے اس کی سلامی کی۔

توپون کے چلنے سے خلقت یہ معلوم کر کے کہ اونکا آیندہ بادشاہ شیر سنگھ قرار پا گیا ہے۔ دم بخود رہ گئی۔

اب جنگ کے سامان پیدا ہو گئے۔ شیر سنگھ نے تخت پر بیٹھتے ہی شہر اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

چندکور نے سندہانوالہ کی قلیل فوج اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے ڈوگرون کو مقابلہ کے لئے پہلے سے ہی آمادہ کر رکھا تھا۔

اور اس مختصر جمیعت برائے نام فوج مین چونکہ زیادہ تر ڈوگرے ہی تھے اس لئے چندکور نے اس جنگ کا اہتمام مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہی سپرد کیا۔

جنگ کی ابتدا شیر سنگھ نے کی۔ جو خود اپنی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ اُس نے پانچ دن تک متواتر قلعہ پر حملے کیے۔ لیکن ہر ایک دفعہ بھاری نقصان اوٹھا کر پسپا ہوا۔ ڈوگرون نے قلعہ سے توپون کے وہ نشانے تاک تاک کر مارے۔ کہ حملہ آور سکھون کے چھکے چھوٹ گئے۔ حتیٰ کہ اُنھون نے شہر کی عورتون کو پکڑ کر اپنے آگے کھڑا کرنا شروع کیا۔ تاکہ توپ کے گولون سے وہ خود بچ رہیں۔ اور عورتین ماری جائیں۔ لیکن ڈوگرہ بہادرون نے کمال شائستگی کا ثبوت دیا۔ وہ نشانہ لگاتے وقت عورتون کو خصوصیت کے ساتھ بچا جاتے تھے۔ اس پانچ دن کے جنگ میں شیر سنگھ کے سات ہزار آدمی مارے گئے۔

یون تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے نیت کر لی تھی۔ کہ جیتے جی لاہور کا قلعہ شیر سنگھ کے حوالہ نکیا جائیگا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دل سے وہ جانتا تھا۔ کہ اُس کے پاس فوج بہت تھوڑی ہے۔ اس واسطے اُس نے راجہ دہیان سنگھ کے ساتھ خط و کتابت شروع کر کے اُس کو تنازعہ کے تصفیہ کرنیکا پیغام بھیجا۔ جو ایک مہینے کی غیر حاضری کے بعد جنگ کے چھٹے روز لاہور میں پہونچا۔ اور اوس کے حکم سے جنگ ملتوی رکھا گیا۔ جس کا آخری نتیجہ یہ نکلا۔ کہ چند کور کو جمون کے متصل نو لاکھ روپیہ کی جاگیر ملی۔ اور شیر سنگھ تخت پر بیٹھا۔

اس فیصلہ کے بعد رانی چند کور نے اپنی تمام جایداد منقولہ اور دولت قلعہ لاہور سے نکالکر اپنی نئی جاگیر میں بھیجنی شروع کی۔

اور یہ کام بھی اُس نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے سپرد کیا۔ جس کی نمک حلالی تدبیر اور دلیرانہ مقابلہ سے اُس کی عزت بچی۔ اور اُس کو نئی جاگیر ملی تھی۔

تفصیل اوس مال اور اسباب کی جو رانی چند کور نے مہاراجہ موصوف کے سپرد کی تھی حسب ذیل تھی۔

(اول) پانسو تھیلیان طلائی ٹنکیون کی۔ (دویم) سولہ گاڑیان روپیون کی (سویم) بیشمار زیور اور قیمتی جواہرات (چہارم) لاکھون روپیون کا پشمینہ۔

یہ نئی جاگیر جبال میں تھی۔ جہان جموں سے ہو کر جانیکا راستہ بھی نزدیک تہا۔ اسواسطے مہاراجہ گلاب سنگھ یہ تمام دولت لیکر جموں میں پہونچا۔ لیکن روانگی سے پیشتر وہ مہاراجہ شیر سنگھ کے پاس رخصت لینے گیا۔ جہان حاضر ہو کر اُس نے کہا۔ کہ چند کور اُس کے آقا کی جس کا نمک کہ وہ بچپن سے کہا رہا تھا۔ بہو تہی۔ اس واسطے جو مقابلہ اُس نے چند کور کی عزت بچانے میں کیا ہے۔ ایسا مقابلہ کرنا اُس کا فرض تھا۔ اور نمک حلالی میں داخل تھا۔ پس اُس کو امید ہے۔ کہ اُس کی اس قسم کی حرکت کے لئے وہ معذور سمجھا جائیگا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کی روانگی کے بعد شیر سنگھ نے چند کور پر چادر ڈالنی چاہئی۔ لیکن چند کور نے جو جانتی تھی۔ کہ شیر سنگھ ایک چھینبے کا لڑکا ہے۔ اس شادی سے نہایت لاپرواہی کے ساتھ بدین الفاظ انکار کیا۔ کہ "جیمل سنگھ کی لڑکی چھینبے کی جورو نہیں بن سکتی"۔ چند کور کی اس بولی نے شیر سنگھ کو سخت برگشتہ کیا۔ حتٰے کہ وہ اوس کی جان کا لاگو ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ایک دن جبکہ چند کور اپنا سر گندہوانے لگی۔ تو شیر سنگھ کی سازش سے ایک گولی اُس کے سر میں کنگھی کرنے لگی۔ اور دوسری گولی نے پیچھے سے اپنے زور سے ایک پتھر مارا۔ کہ اُس کا سر پھٹ گیا۔ اور وہ بیچاری وہان ہی چت ہو گئی۔

جب اس قتل کی خبر راجہ ہیان سنگھ کو ہوئی۔ اُس نے قاتلہ گولی کو پکڑ منگوایا۔ اور جرم کی تحقیقات شروع کی۔ لیکن گولی مذکور نے اپنی بیگناہی بدین الفاظ ظاہر کی۔ اس جرم کا ارتکاب آپ کے اور مہاراجہ شیر سنگھ کے حکم کی تعمیل میں ہوا ہے۔ مگر یہ صفائی منظور نہیں ہوئی۔ اوس کا ناک اور دونون کان کٹوائے جاکر وہ دریا ئے راوی کے پار کر دی گئی۔ اور ایک مہاراجہ کی بہو اور دوسرے مہاراجہ کی مہارانی اور تیسری مہاراجہ کی والدہ کے خون کا انتقام اس طرح لیا گیا۔

مہاراجہ شیر سنگھ - اُس کے شہزادے اور راجہ دہیان سنگھ کی قتل

اب شہر لاہور ایک بوچڑخانہ بن جاتا ہے۔ اور دفعتاً اس قسم کے بوچڑ پیدا ہو جاتے ہیں۔ کہ جن کی تیز چھُری سے نہ کوئی بادشاہ اور نہ کوئی وزیر محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور یہہ انسانون کے قصائی اب ایسے فساد کرتے ہیں۔ کہ جن کی نظیر دنیا میں کہیں بھی نہیں مل سکتی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بڑے دو گُرو تھے۔ جن میں سے ایک کا نام بھائی رام سنگھ اور دوسرے کا نام بھائی گُورمکھہ سنگھ تھا۔ نصف سکھہ ایک گُرو کے اور نصف سکھہ دوسرے گُرو کے سیوک اور مقلد تھے۔ لیکن کل سکھہ دونون گُرون کی برابر تعظیم کرتی تھی۔

ان میں سے بھائی گورمکھہ سنگھ کی راجہ دہیان سنگھ کے ساتھ مخالفت اور بھائی رام سنگھ کی موافقت تھی۔ اب لاہور دربار کے سردارون کی کیفیت بھی سنئے۔ سندھانوالہ سردار جوکہ سب سردارون میں سے زیادہ رسوخ اور عزت والے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہم جدیون میں شامل تھے۔ ان کا اقتدار اس قدر بڑھا ہوا تھا۔ کہ انہون نے شیر سنگھ کو غاصب قرار دیکر اُس کی تخت نشینی سے علانیہ طور پہ انکار کیا۔ حتی کہ وہ مغلوب بھی ہوئے۔ اور اُن کی تمام جاگیرین بھی ضبط ہو گئین۔ جس کے بعد انہون نے معافی حاصل کرنے کے لئے بہت کوشش کی۔ لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخرکار انہون نے بھائی رام سنگھ کو اپنا وسیلہ بنایا۔ اور اس کی سفارش سے راجہ دہیان سنگھ نے اونکی خطا بھی معاف کرا دی۔ اور جاگیرین بھی واگذار کرا دین۔ رفتہ رفتہ سردار لہنا سنگھ سندھانوالہ اور سردار اجیت سنگھ سندھانوالہ نے وہ رسائی حاصل کی۔ کہ دونون سردار مہاراجہ شیر سنگھ کی موچھ کے بال بنگئے۔ اور دونون کو اُس کے ساتھ تخلیہ کرنے کا فخر بھی حاصل ہوا۔ جب انہون نے ایسا قرب حاصل کیا۔ تو اب انکو راجہ دہیان سنگھ

کے اُکھاڑ مارنے کی سوجھی۔ بوجہ جس کے اُنھون نے مہاراجہ شیر سنگھ کے کان یہانتک بھرے کہ آخرکار وہ راجہ مذکور کے برخلاف ہوگیا۔ اور اُس کو نظر حقارت سے دیکھنے لگا۔ راجہ دہیان سنگھ کو یہ امید نہ تھی۔ کہ مہاراجہ شیر سنگھ اور دونون سردار اُس کے احسانات کو بھول جاینگے۔ اس کو اس بات کا سخت افسوس ہوا۔ اور وہ بھی انتقام گیری پر اُتر آیا۔ چنانچہ بمقابلہ مہاراجہ شیر سنگھ کے مہاراجہ دلیپ سنگھ کی جو اُن دنون صرف ۵ برس کا تھا۔ ایسی تعظیم وتکریم کرنے لگا۔ گویا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تخت کا وہی وارث اور مستحق تھا۔

اب نفاق کی آگ بخوبی سلگ اُٹھی۔ اور اس کے شعلے یہانتک بلند ہوئے۔ کہ آخرکار مہاراجہ شیر سنگھ نے سندھانوالیہ سردارون کو راجہ دہیان سنگھ کے قتل کرنے کا حکم لکھدیا۔ لیکن سرداران مذکور صرف راجہ دہیان سنگھ کے ہی خون کے پیاسے نہیں تھے۔ وہ جسطرح سے راجہ دہیان سنگھ کو عہدہ وزارت کا غاصب سمجھتے تھے۔ اور جانتے تھی کہ اُس کی موجودگی میں وہ وزیر نہیں بن سکینگے۔ اوسیطرح سے مہاراجہ شیر سنگھ کو بھی تخت لاہور کا غاصب خیال کرتے تھے۔

اس لئے راجہ دہیان سنگھ کی قتل کا جو ارشاد مہاراجہ شیر سنگھ نے اُن کو لکھدیا تھا۔ وہ جاکر اُنہون نے راجہ دہیان سنگھ کو دکھایا۔ اور اس کو طیش دلوکر اوس سے مہاراجہ شیر سنگھ کے قتل کی اجازت لیلی۔

اس کے بعد دونون سردار پھر شیر سنگھ کے پاس پہونچے۔ اُس کو یہ پٹی پڑہائی۔ کہ اجازت ہو تو وہ اپنی جاگیر میں جاکر دہیان سنگھ کی قتل کا انتظام کرین۔ مہاراجہ شیر سنگھ نے اُن کی درخواست منظور کی۔ اور دونون سردار رخصت حاصل کرکے اپنی جاگیر کو چلے گئے۔ اب وہ مناسب موقعہ کا انتظار کرنے لگے۔ اتفاقاً ماگھ کی سنکرات آئی۔ اور اُس روز گرہن کا دن بھی تھا۔ دفترون میں چھٹی ہوگئی۔ مہاراجہ شیر سنگھ معہ اپنے بیٹے شہزادہ پرتاپ سنگھ کے شاہ بلاول کو چلا گیا جہان شہزادہ مذکور تو باغ میں داخل ہوکر دان پن کرنے لگا۔ اور مہاراجہ مذکور خود

بارہ دری میں بیٹھ کر کشتیان دیکھ دیکھ کر پہلوانون کو انعام تقسیم کرنے لگا۔ اتنے میں سردار اجیت سنگھ معہ اپنے جدید بالگیرون کے آپہونچا۔

اجیت سنگھ نے اپنے بالگیرون کو تو بارہ دری کے آگے کھڑا کر دیا۔ اور خود بے تحاشہ مہاراجہ کے پاس چلا گیا جو اسوقت ایک آرام کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اجیت سنگھ نے جو کہ بخوبی مسلح تھا۔ جاتے ہی واہگورو جی کی فتح بولائی۔ اور ایک دونالی بندوق کی شست جو کہ بھری ہوئی تھی اجل رسیدہ مہاراجہ کی چھاتی کیطرف لگا کر بدین الفاظ آگے کو بڑھائی۔ کہ یہ بندوق میں نے سات سو روپیہ میں خریدی ہے۔ لیکن ایسی عمدہ ہے۔ کہ تین ہزار میں بھی نہیں بیچونگا۔

مہاراجہ نے بازو آگے کو بڑھایا کہ بندوق کو ہاتھ میں لیکر دیکھے۔ اتنے میں اجیت سنگھ نے گھوڑا دبا دیا۔ بندوق چلگئی۔ اور اس کی دو گولیان مہاراجہ کی چھاتی میں لگ گئین۔ اور وہ فوراً وہان ہی چت ہو گیا۔ مرتی دفعہ اس کے منہ سے صرف یہی لفظ نکلا کہ۔ ایہہ کی دغا یعنے یہ کیا دغا کیا گیا ہے۔

شیر سنگھ کے قتل ہوتے پر بارہ دری میں تلوار چل پڑی۔ بندوق کی آواز سنکر اوسکا ایک مصاحب جسکا نام بدھ سنگھ تھا۔ باہر سے اندر آیا۔ دروازہ پر اجیت سنگھ کے دو آدمی مزاحم ہوئے۔ اور مارے گئے۔ بدھ سنگھ نے اندر داخل ہو کر اجیت سنگھ کو بھی مار ڈالنا چاہا۔ لیکن اس کی تلوار ٹوٹ گئی۔ جس پر یہ جوانمرد معہ تمام دیگر مصاحبان شیر سنگھ کے قتل ہو گیا۔

ادہر تو بارہ دری میں سردار اجیت سنگھ نے یہ کشت و خون کیا۔ ادھر سردار لہنا سنگھ نے باغ میں پہونچکر بیچارے پرتاب سنگھ کو بھی قتل کر ڈالا

جس وقت پرتاب سنگھ مارا گیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر صرف دس برس کی تھی اور باغ میں بیٹھا ہوا تولادان کر رہا تھا۔ اس نے جب دور سے ہی دیکھا۔ کہ سردار لہنا سنگھ غضبناک حالت میں آنکھین سرخ کئے ہوئے اور ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے اسکو قتل کرنے کے لئے آرہا ہے۔ تو وہ ڈر گیا۔ ہاتھ جوڑے اس کے پانو پڑا۔ اور نہایت

عاجزی سے بولا کہ چچا جی مجھکو مت مارو میں تمہارے طویلے میں گھوڑون کی لید اُٹھا کر گذارہ کرون گا۔

لیکن سنگدل لہنا سنگھ پر اس بیگناہ معصوم بچے کی دردناک عاجزی نے کچھ اثر نہ کیا غصہ اور بھی تیز ہوا۔ اور بجواب بولا۔ کہ ایسے وقت میں چچا کون بنتا ہے۔ یہ کہا۔ اور اُس کا سر کاٹ کر بدن کے ٹکڑے کر ڈالے۔

جب مہاراجہ شیر سنگھ اور معصوم پرتاب سنگہ قتل ہو چکے۔ تو اجیت سنگہ سندہانوالہ معہ اپنے تین سو سوارون کے ان دونون مقتولون کے سر لیکر کمال بشاشت کے ساتھ لاہور کو روانہ ہوا۔

راستہ میں اُس کو راجہ دہیان سنگہ مل پڑا۔ جو پوجا کرنے کے بعد قلعہ سے ہوتا ہوا معہ چند سوارون کے اب شاہ بلاول کو جا رہا تھا۔

اجیت سنگہ نے اُس کو دیکھکر پہلے تو سلام کی۔ پھر دونون مقتولون کے سر دکھلائے لیکن پرتاب سنگہ کا سر دیکھکر راجہ دہیان سنگہ کو سخت افسوس ہوا۔ اور بیساختہ بول اُٹھا۔ کہ اس بیقصور بچے کو کیون مارا ہے۔

اجیت سنگہ نے بجواب کہا۔ اب کیا ہوسکتا ہے۔ جو ہونا تھا سو ہو گیا ہے۔ آپ قلعہ میں چلو اور آیندہ انتظام سوچو۔

خطرناک سردار کی بیباکانہ باتین سنکر راجہ دہیان سنگھ کا ماتھا ٹھنکا۔ اور گھبراہٹ کی حالت میں اوس نے اردلیون کیطرف نگہ ماری۔ قیاس غالب یہ ہے کہ اگر اُس کے ساتھ کافی اردلی ہوتے۔ تو وہ اجیت سنگہ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتا۔ لیکن مصلحتاً دلیری کر کے اوسکے ساتھ ہو لیا۔

قلعہ کے پہلے دروازہ میں سے گذر جانے تک خیریت رہی۔ لیکن جب دوسری ڈیوڑھی میں پہونچے۔ تو دہیان سنگہ کے آدمی روکے گئے۔ اور اجیت سنگہ کے آدمی کھلے بندون اندر چلے گئے۔ دوسری ڈیوڑھی میں سے گذر جانے کے بعد اجیت سنگہ نے راجہ دہیان سنگہ سے پوچھا۔ کہ اب

تخت نشین کون کیا جائیگا۔ راجہ دہیان سنگہ بولا۔ کہ حق مہاراج دلیپ سنگہ کا ہے۔ یہ سنکر اجیت سنگہ نے طنزاً کہا۔ کہ اُس کے وزیر تو تم ہی ہوگے پھر اُس نے کہا۔ کہ ہم نے اپنی جان جوکہون میں ڈالکر جو خدمات انجام دی ہیں اُن کا صلہ ہم کو کیا ملیگا۔ راجہ دہیان سنگہ جو ایسے سوال جواب سننے کا عادی نہیں تھا۔ رنجیدہ ہوکر اجیت سنگہ سے کنارہ کش ہوا۔

بھائی گورمکہہ سنگہ نے جو اس موقعہ پر ہمراہ تھا۔ سردار اجیت سنگہ سے کہا۔ باتین بنانے سے کیا فائیدہ ہے۔ کچھ کرکے دکہاو۔ اور راجہ دہیان سنگہ کو زندہ مت چہوڑو۔ بہائی گورمکہہ سنگہ کے یہ کہنے کی ہی دیر تھی۔ کہ اجیت سنگہ نے اپنی فوج کیطرف انگلی کا اشارہ کیا۔ جس پر فتح خان ٹوانہ نے بندوق کا فیر کیا۔ جس کی گولی راجہ دہیان سنگہ کی پیٹھ سے پار ہوئی اور راجہ مذکور اپنے گہوڑے سے گرکر وہان ہی چت ہوگیا۔

ایک وفادار مسلمان اردلی جو باوجود تمام روک ٹوک اور سختیون کے کہ یہان تک راجہ دہیان سنگہ کے کسطرح ساتھ آگیا تھا۔ اپنے آقا کی یہ حالت دیکھکر رہ نہ سکا۔ اور مقابلہ کرتے ہوئے وہ بھی مارا گیا۔ جس کے بعد مخالفین نے آقا اور اس جانباز نوکر کی لاشون کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ایک گڑہے میں پہینک دیا۔

تہوڑی دیر ہی کے بعد سردار لہنا سنگہ بھی قلعہ میں داخل ہوا۔ اور دہیان سنگہ کی ہلاکت کا حال سنکر اجیت سنگہ پر سخت ناراض ہوا۔ اور دست تاسف ملکر بولا۔ کہ دہیان سنگہ کے مارنے میں بہت جلدی ہوئی ہے۔ اُس کو مار ڈالنا اور اوس کے دونون بہائیون اور بیٹے راجہ ہیرا سنگہ کو زندہ چھوڑنا اپنے آپکو موت کے مونہہ میں دہکیل دینے سے کم نہیں ہے۔ عقل مندی یہ تہی۔ کہ ان تینون بہائیون اور اوس کے بیٹے راجہ ہیرا سنگہ کو اکٹھے کرکے مار ڈالتے تاکہ نہ کوئی انتقام لینے والا پیچہے رہتا۔ اور نہ کسی کا خطرہ رہتا۔

سردار اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ کا مارا جانا

راجہ دہیان سنگہ کے مارے جانے کے بعد اب سندہانوالہ سردارون کو راجہ سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگہ کے قتل کی سوجہی - کیونکہ اُن کو خوف ہوا - کہ یہ دونون راجے اون کو زندہ نہ چھوڑینگے - بلکہ راجہ دہیان سنگہ کی انتقام گیری مین اون کی اینٹ سے اینٹ بجادینگے - ان دونون کے مارنے کی ترکیب سندہانوالہ سردارون نے یہ نکالی - کہ سردار لال سنگہ جو راجہ دہیان سنگہ کا سبز کردہ اور پرورش یافتہ تہا - راجہ سوچیت سنگہ اور راجہ ہیرا سنگہ کے پاس راجہ دہیان سنگہ مقتول کی جانب سے ایک نہایت ضروری معاملہ مین مشورہ کرنیکے بہانہ اون کو اپنے ساتہ لانے کے لیے بہیجا گیا -

یہ ممکن تہا کہ ہردو راجگان سردار لال سنگہ کی زبانی مقتول راجہ دہیان سنگہ کا فرضی پیغام سنکر اُس کے جہانسے مین آجاتے لیکن اون کو یہ پہلے سے ہی سوجہی ہوئی تہی - کہ مہاراجہ شیر سنگہ کی ہلاکت رنگ لائے بغیر نہ رہیگی - اور اوسکا دہوکہ بازی کے ساتہ اسطرح مارا جانا راجہ دہیان سنگہ اور سندہانوالہ سردارون مین ضرور کوئی فساد پیدا کریگا -

بلکہ اسی دور اندیشی سے ہردو راجگان مین سے کوئی بہی مقتول راجہ کے ساتہ شاہ بلاول کو نہیں گیا تہا - اس لئے سردار لال سنگہ کا پیغام سن کر انہون نے مقتول راجہ کا تحریری حکم مانگا - اتنے مین دہیان سنگہ کی قتل کا معاملہ طشت از بام ہوگیا - جس کو سن کر راجہ ہیرا سنگہ دریائے رنج غم مین مبتلا ہوکر رونے پیٹنے لگا - لیکن رائے کیسری سنگہ کے سمجہانے پر ماتم داری کو بالائے طاق رکہکر انتقام گیری پر آمادہ ہوا -

اور کمال حوصلہ کے ساتہ فوج کو جمع کر کے سرداران فوج کے اجلاس مین

نہایت سنجیدگی کے ساتھ حاضر ہوکر کمر سے ڈہال اور تلوار کہولکر اُن کے آگے رکہہ دی۔ اور بدین الفاظ اُن سے مخاطب ہوا۔ کہ سندہانوالے سردار نمکحرام ہوگئے ہیں۔ ان نمکحرامون نے سرکشی کر کے پہلے ہمارے بادشاہ کو کمال سنگدلی کے ساتھ قتل کیا۔ پھر اوس کے بیگناہ بیٹے کو بہی بیرحمی سے مار ڈالا اب ان ظالمون نے اُس کے وزیر کا بھی خون کر ڈالا ہے۔

ان نمکحرامون نے بہت بُرا کیا۔ کہ پایہ تخت لاہور میں تلوار چلاکر خالصہ سلطنت میں پہوٹ کا بیج بوکر انتظام کو درہم برہم کرنا شروع کر دیا ہے۔ وجہ ان تمام خونریزیون کی یہ ہے کہ سندہانوالے سردار نمکحرام ہوکر انگریزون کے ساتھ جا ملے ہیں اور اب قوم اور ملک کو ذلیل بدنام اور تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

اگر ان مکارون کا فوراً واقعی تدارک نکیا جاویگا تو خالصہ قوم کو ملازمت کہیں بھی نملیگی۔ اور سکہون کی روٹی کا مدار صرف قلبہ رانی پر رہ جائیگا۔

تقریر کے خاتمہ پر راجہ ہیرا سنگہ نے کہا۔ کہ سکہہ بہائیو۔ راجہ دہیان سنگہ جیسا میرا باپ تہا۔ ویسا ہی تم لوگون کا بھی باپ تہا۔ وہ مجھکو اور تم لوگون کو ایک ہی نظر سے دیکھتا تہا۔ بلکہ تم لوگون پر جسقدر مہربان تہا۔ وہ محتاج بیان نہیں تم لوگون کی موجودگی میں اوس کا اس طرح مارا جانا سخت مصیبت ہے۔ اُس کی موت کا بدلا لینا لازمی ہے۔ اس خدمت کے صلہ میں پیدل فوج کی طلب فی پیادہ بارہ روپیہ کے حساب سے اور سوارون کی طلب فی سوار تیس روپیہ ماہوار کے حساب سے دی جائیگی۔ راجہ ہیرا سنگہ کی یہ جادو بہری تقریر نہایت موزون معنی خیز با موقعہ اور جوش پیدا کرنے والی تہی۔ ترقی کا وعدہ سنکر سکہہ لوگ جامہ میں پہولے نہ سمائے۔ اور تمام فوج میں انتقام گیری کا ایسا جوش پیدا ہوا۔ کہ سندہانوالہ سردارون پر اسیوقت حملہ کی تیاری ہوگئی۔ حالانکہ راجہ ہیرا سنگہ ایسے اندہا دہند حملے کے بالکل برخلاف تہا اور چاہتا تہا۔ کہ سرکش سردارون کو کسی سنجیدہ طریقہ کے ساتھ گوشمالی دی جائے۔ لیکن صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقارہ خا

میں فوجی سکھون نے راجہ ہیرا سنگہ کی ایک بھی نہ سُنی - اور غروب آفتاب کیوقت سو توپون کے ساتھ قلعہ کا محاصرہ کرلیا - رات بھر ہر دو طرفسے توپ چلتی رہی -

صبح ہوتے ہی راجہ ہیرا سنگہ نے وعدہ کیا کہ اگر اس وقت قلعہ کی دیوار توڑکر اندر جانے کا راستہ بن جائے - تو معقول انعام بھی دیا جائیگا - اور قلعہ کی لوٹی میں جو نقد و جنس ہاتھ آئیگی - وہ بھی آپ لوگون کا ہی مال تصوّر ہوگا - بس پھر کیا تھا - توپچیون نے قلعہ کی دیوار کا ایک موقعہ تاڑکر تاک تاک کر وہ توپین لگائین - کہ آخر کار دیوار پھٹ گئی اور اندر جانے کا ایک خاصہ دریچہ بن گیا -

ادہر رائے کیسری سنگہ بھی سیڑہیان لگاکر قلعہ کی دیوارون پر سوار ہوگیا - اور جو آگے آیا - اوسکو تلوار کی گہاٹ اُتارا - اس طرح سے قلعہ دیکھتے دیکھتے ہی سر ہوگیا - اور اجیت سنگہ معہ ایک مصاحب کے جسکا نام گہسیٹا مہر تھا - قلعہ پر سے کودتا ہوا گرفتار ہوا -

گرفتار کنندہ ایک مسلمان سپاہی تھا - اجیت سنگہ نے اپنے سونے کے کڑے اوسکو رشوت میں دے - لیکن اس وفادار اور سیر چشم سپاہی نے اس بیش بہا رشوت کو نامنظور کرکے فوراً اُس کا سر کاٹ لیا - اور راجہ ہیرا سنگھ کے آگے جا دہرا - راجہ ہیرا سنگھ مہاراجہ شیر سنگھ اور اپنے باپ کے قاتل کا سر اپنے پانو میں پڑا ہوا دیکھکر بہت خوش ہوا - جس کے صلہ میں اس قاتل کا قاتل سپاہی انعام و اکرام میں غرق ہوگیا - اور ہیرا سنگھ نے اس سر کو اُٹھاکر اپنی سوتیلی والدہ کے آگے رکھا - جس سے اُس کے خشم ناک اور غم آلودہ دل کو اس قدر شانتی ہوئی - کہ راجہ دہیان سنگہ کی کلغی جو اوسکے پاس تھی - اوس نے . . . . اپنے ہاتھ سے راجہ ہیرا سنگھ کے سر پر لگائی - اور خود خوش ہوکر ستی ہوگئی - اس رانی کی ایک گولی جو عمر میں صرف دس برس کی تھی - نہایت حسین تھی -

رانی اس کو اور یہہ رانی کو بہت پیاری تھی - جب رانی ستی ہونے لگی -

اُس نے اپنی اس پیاری گولی کو ستی ہونے سے روکا۔ اور راجہ ہیراسنگھ کے حوالہ کیا۔ مگر یہ کب ممکن تھا۔ لڑکی کو رانی کی جدائی منظور نہ تھی۔ اُس کو زندگی موت اور موت زندگی نظر آتی تھی۔ اور رانی کے ساتھ اُس کے قدمون مین اپنے سر کو رکھکر جل مرنے کو عین راحت خیال کرتی تھی۔

رانی نے کمال محبت سے اُس کو تین دفعہ سمجھایا۔ کہ بیٹی تو معصوم ہے اور میری خوشی اسی میں ہے۔ کہ تو ستی ہونے سے باز آ۔ لیکن یہ گولی الفت کی آگ سے جلکر پروانہ بنی ہوئی تھی۔ اور رانی اُس کی نظرون میں شمع کا حکم رکھتی تھی۔ وہ چاہتی تھی۔ کہ جون تون ہوسکے۔ پروانہ وار اوس پر فدا ہوجائے۔ اور رانی کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ اپنی زندگی کا بھی خاتمہ کردیوے۔ یہ ایک سچی محبت کا جادو تھا۔ اس کو رانی کی محبت آمیز فہمایش کب توڑ سکتی تھی۔ لڑکی نے مجبور ہو کر صاف لفظون میں کہا کہ اگر اوس کو ستی ہونے کی اجازت نہ دی جائگی۔ تو وہ کسی اور طریقہ سے اپنی جان پر کھیل جائگی۔ لڑکی کی اس قطعی تقریر نے تمام پند و نصائح کا خاتمہ کردیا۔ مجبور ہوکر رانی نے اُس کو بھی اپنے چکا پر سوار کیا۔ اور رانی اور گولی دونون ستی ہوگئین

اب سردار لہنا سنگھ کی کیفیت سنئی۔ وہ ایک جگہ چھپا ہوا تھا۔ اور ایک وفادار سکھ جس کا نام راہ سنگھ تھا۔ ننگی تلوار سے اوس کا پہرہ دے رہا تھا جو شخص اُس کے نزدیک آتا تھا۔ اس وفادار سکھ کی تلوار کا شکار ہوجاتا تھا راہ سنگھ نے ۱۳- آدمیون کو قتل کیا۔ لیکن بکرے کی مان کب تک خیر مناوے۔ .... چودہوین حملہ آور کے ہاتھ سے راہ سنگھ بھی مارا گیا۔ اور مرتے مرتے بھی اوس کے مونہہ سے یہ ہی آواز آتی تھی۔ کہ میرے سردار کو اسطرح ذلیل کرکے مت مارو۔

اجیت سنگھ کے مارے جانے کے بعد راجہ ہیراسنگھ نے لہنا سنگھ کے سر کا مول دس ہزار روپیہ مقرر کر رکھا تھا۔ جب راہ سنگھ مارا گیا تو کسی

نے اس کا یعنے لہنا سنگھ کا سر بھی کاٹ کر ہیرا سنگھ کے آگے جا رکھا۔ اور دس ہزار روپیہ کا موعودہ انعام حاصل کیا۔

ان دونون سردارون کے مارے جانے کے بعد اُن کے گھر گرائے گئے۔ اُن کی جاگیرین ضبط کی گئیں۔ اور اون کے طرفدار چُن چُن کر مارے گئے۔ حتے کہ بھائی گورمکھ سنگھ بھی قتل کیا گیا۔ اور اس طوفان بے تمیزی میں مصر بیلی رام بھی مارا گیا۔ جو کہ نہایت دیانتدار اور مدبر اہلکار تھا۔ باوجود ان تمام انتقام گیرون کے غصہ کی آگ تب تک فرو نہ ہو سکی۔ جب تک کہ لہنا سنگھ اور اجیت سنگھ کی لاش گھسیٹ کر تمام شہر میں نہ پھرائی گئی۔ سردار عطر سنگھ کو جو اونکی مدد کو آ رہا تھا۔ جب ہر دو سردارون کے اسطرح سے مارے جانے کا حال معلوم ہوا۔ تو وہ دم دبا کر واپس بھاگا۔

راجہ سوچیت سنگھ کی شہادت

راجہ ہیرا سنگھ نے سندھانوالیہ سردارون سے جب باپ کا بدلا لیلیا۔ تو قلعہ مین جا کر مہاراجہ دلیپ سنگھ کے پانو چومے۔ اور تمام فوج کو ایک ماہ کی طلب انعام مین دی۔ پھر ماہ ستمبر ۱۸۴۳ء میں ایک دربار عام لگایا گیا۔ جس مین تمام جاگیردارون اور جنگی اور ملکی عہدہ دارون کی موجودگی میں دلیپ سنگھ پنجاب کا مہاراجہ اور ہیرا سنگھ اوس کا وزیر نامزد ہوا۔ اس وقت راجہ ہیرا سنگھ ۲۵۔ برس کا اور مہاراجہ دلیپ سنگھ صرف ۶۔ برس کا تھا۔

راجہ ہیرا سنگھ نے وزیر بننے سے بارہا انکار کیا تھا۔ اور عذر یہ اٹھایا تھا کہ اوس کے مخالف بہت ہیں۔ لیکن فوج نے جو ممنون احسان تھی۔ ایک بھی نہ سنی حتے کہ دشمن کش راجہ ہیرا سنگھ نے جن اشخاص پر اپنی بدگمانی ظاہر کی۔ فوجی سردارون نے یا دوسرے لفظون میں فوجی پنچون

ان بدنصیبون کو اسیوقت یا قتل یا گرفتار کیا۔ جس پر راجہ ہیراسنگھ نے وزارت کے عہدہ کو قبول کیا۔ اور اپنے چچا کو بھی اسی وزارت پر نثار کیا۔

اول تو وزارت کا کام ہر ایک زمانہ میں بہت ٹیڑھی کھیر ہوتا ہے۔ لیکن اس زمانہ کی مدار المہامی اور بھی نیم چڑھا کریلا بنی ہوئی تھی۔ اس واسطے جب تک راجہ ہیراسنگھ جیتا رہا۔ تب تک مشکلات میں ہی مبتلا رہا۔ اور نتیجہ یہ نکلا۔ کہ جس وزارت کے قبول کرنے سے پہلے وہ انکاری ہوا تھا۔ پیچھے سے اس پر وہ یہان تک دل دادہ ہوا۔ کہ پہلے اس نے اس عہدہ پر قایم رہنے کے لئے اپنے چچا کے خون سے اپنے ہاتھون کو رنگین کیا۔ اور آخر کار اپنا خون بھی اسی وزارت پر نثار کر دیا۔

باوجود اس کے یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ راجہ ہیراسنگھ جو کہ کسیقدر انگریزی اور فارسی بھی جانتا تھا۔ گو ابھی کم عمر اور ناتجربہ کار تھا۔ تاہم وہ صرف مدبر اور حکمتی ہی نہیں بلکہ کام نکالنے کیوقت وہ اپنی شرین زبانی سے جادو کا کام کر جاتا تھا۔

اور اوس کی وزارت اوس زمانہ کے حالات کے مطابق نہایت موزون تھی۔ لیکن خالصہ سلطنت کے حالات ایسے بگڑ چکے تھے۔ کہ یہ ممکن نہ تھا۔ کہ راجہ ہیراسنگھ اپنی راجپوتی آن بان کو بھی قایم رکھتا۔ اور ہر ایک آفت سے بھی بچا رہتا۔ اوس کے باعث حسب ذیل تھے۔

(۱) راجہ صاحب موصوف امورات سلطنت میں ہر حالت میں جلا پنڈت کے مشورے پر کاربند رہتے تھے۔ جو گو اول درجہ کا منتظم اور با اصول آدمی تھا۔ لیکن بوجہ اوس کی نظمی سختیون لعدودیہ دہنی کے تمام دربار اوس کا دشمن جانی تھا۔ بلکہ اس کو راجہ سوچیت سنگھ سے بھی جس کو رانی جندان اپنا وزیر بنانا چاہتی تھی۔ اسی رانی جندان کی مہربانی سے سخت عداوت تھی۔

(۲) کشمیرا سنگھ اور پشاورا سنگھ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام نہاد بیٹے

تھے۔ اون کا خاتمہ کرنے میں جو سخت کارروایان راجہ ہیراسنگھ کو کرنی پڑین۔ اون سے بھی راجہ صاحب موصوف کی بہت بدنامی اور بدگمانی ہوئی۔

(۳) متواتر جنگون سے خزانہ خالی۔ اور مالیہ وصول طلب تھا۔ جس کے وصول کرنے میں سخت تنگ طلبی کی گئی۔ جو کہ ایک لازمی امر تھا۔ اس کارروائی نے بھی جلتی آگ میں تیل کا کام دیا۔

(۴) راجہ سوچیت سنگھ وزارت کے خواہان تھے۔ اور رانی جندان جو کہ اون پر دل وجان سے فریفتہ تھی۔ اونکی مددگار تھی۔

راجہ ہیراسنگھ کے وزیر بننے کے بعد پہلی خرابی یہی ہوئی۔ کہ راجہ سوچیت سنگھ صاحب نے اون کے برخلاف ہاتھ پیر مارتے شروع کئے۔ جس پر رانی جندان کا بھائی سردار جواہر سنگھ اوس کا یہان تک طرفدار ہوا کہ ایک موقعہ پر جبکہ فوج کا جلسہ ہو رہا تھا۔ سردار مذکور فیل سوار ہوکر مہاراجہ دلیپ سنگھ کو فوج میں لیگیا۔ جہان اُس نے مہاراجہ مذکور کو گود میں بٹھا کر سرداران فوج کے آگے راجہ ہیراسنگھ کی شکایت کی۔ اور کہا کہ راجہ صاحب موصوف مہاراجہ اور رانی جندان کی بات بات پر سخت بعزتی کرتے ہیں۔ جس سے اگر ان کو نجات نہ ملیگی۔ تو بحالت مجبوری انگریزون سے مدد مانگی جائیگی۔ سردار جواہر سنگھ کی اس تقریر سے فوج کو اوس کی جانب سے اکثر بدگمانی پیدا ہوئی۔ جس پر راجہ ہیراسنگھ نے سردار مذکور اور راجہ سوچیت سنگھ کو ملک اور قوم کا دشمن سلطنت کا نمکحرام اور بدخواہ اور انگریزون کا طرفدار قرار دیا۔ اور مشہور کیا۔ کہ یہ دونون مہاراجہ دلیپ سنگھ کو انگریزون کا باجگذار بنانا چاہتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی شہرت ہوئی۔ کہ سردار جواہر سنگھ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو فیروزپور میں لیجا کر انگریزون کے سپرد کرنیکو تیار ہے۔ جس پر راجہ ہیراسنگھ نے اُس کو قید کر ڈالا اور راجہ سوچیت سنگھ کو کمزور کرنیکے لئے ادہر تو اُس کی دو پلٹنین توڑ ڈالین۔ اودھر اُس کی آمدورفت

رانی جندان کے پاس سے بند کردی۔ بلکہ سردار لعل سنگھ کو بھی رانی جندان کے پاس نہ جانا ملا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے جب راجہ ہیرا سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کے تعلقات کو اس حد تک بگڑے ہوئے پایا۔ تو راجہ سوچیت سنگھ کو معہ اسکی پرائیویٹ فوج کے اپنے ساتھ جمون کو لیگیا۔ جہان مہاراجہ رنبیر سنگھ کو اونکا متبنی بنادیا۔ کیونکہ راجہ سوچیت سنگھ لاولد تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کی اس دور اندیشی سے نفاق کی وہ آگ جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ کسیطرح کم نہ ہوسکی۔

راجہ ہیرا سنگھ نے جو جو منصوبے کشمیرا سنگھ اور پشاورا سنگھ کی بربادی کے لئے تیار کئے تھے اُن سے کل فوج راجہ ہیرا سنگھ کی اس حد تک مخالف ہوگئی۔ کہ اُنہون نے صرف سردار جواہر سنگھ کو ہی قید سے رہا نہیں کیا۔ بلکہ راجہ ہیرا سنگھ سے یہ بھی اقرار لیا۔ کہ آیندہ جلاّ پنڈت کا امورات سلطنت کے ساتھ بالکل کوئی تعلق نہ رہیگا۔

لیکن راجہ ہیرا سنگھ نے اُس زبانی وعدہ کو کبھی پورا نہیں کیا۔ جس سے نوبت یہان تک پہونچی۔ کہ فوج کے ایک حصہ کے سردارون نے ایک ڈوگرے سردار کے ذریعہ راجہ سوچیت سنگھ کو وزارت کا عہدہ ملنے کا یقین دلوا کر کوہستان سے بولا بھیجا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید کردی۔ کہ اگر یہ موقعہ ہاتھ سے چلا گیا۔ تو وزارت کا ملنا مشکل ہوجائیگا۔ راجہ صاحب اس جھانسے میں آکر معہ اپنی فوج کے فوراً شاہدرہ میں آپہونچے۔ جہان سے اُنہون نے طلب کنندہ سردارون کو اپنے آنیکی خبر دی۔ اور اُن کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ مگر راجہ ہیرا سنگھ نے خبردار ہوکر اُن سب کو رات بھر میں ہی یہانتک اپنا طرفدار بنالیا تھا۔ کہ راجہ سوچیت سنگھ کے پاس کوئی سردار نہ گیا۔ اور نہ اب کسی کو اُن کے وزیر بنانے کا خیال رہا۔ جب راجہ سوچیت سنگھ نے رنگ زمانہ بگڑا ہوا دیکھا۔ اور اُن لوگون کے

اطوار بدلے ہوئے پائے ۔ کہ جن کے بہروسے پر وہ اپنے وطن سے کوچ کرکے آئے تھے ۔ تو رلائے کیسری سنگھ کے مشورے سے چار سو سوارون کی جمعیت کو ہمراہ لیکر وہ خالصہ فوج کے سوارون کے رسالہ مین تشریف لیگئے ۔ راجہ سوچیت سنگھ کو اُمید تھی ۔ کہ وہ ضرور مدد کرینگے ۔ لیکن اُنہون نے بھی سکھ فوج کے مقابلہ میں مدد دینے سے صاف انکار کیا ۔ بلکہ از راہ خیر اندیشی کوہستان کو واپس چلے جانے کا مشورہ دیا ۔ یہ واقعی طور پر ایک نہایت محتاط اور سنجیدہ مشورہ تھا ۔ حتےٰ کہ راجہ ہیرا سنگھ نے بھی بدین خیال کہ باہمی خانہ جنگی کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا ۔ بہت چاہا تھا کہ کسیطرح راجہ سوچیت سنگھ صاحب واپس چلے جاوین ۔ لیکن ہونی بات کرے ۔ انہونی راجہ سوچیت سنگھ نے ایک بھی نہ مانی ۔ اور پست حوصلہ ہونیکی جگہ اسقدر پرجوش ہوئے ۔ کہ میان وڈا کی مسجد جو کہ متصل تھی ۔ اسمین جا کر قیام کیا ۔ اور اُس کی ناپایدار چاردیواری کو ایک سنگین قلعہ کی عزت دیکر اپنی کل فوج کو وہان ہی طلب کر لیا ۔ ادہر رات بہر گرنتھ صاحب سنتے ہی ۔ پہر تو راجہ ہیرا سنگھ نے بھی فوج کے سردارون اور پنچون کو جمع کر کے اُن کے آگے ہاتھ جوڑے ۔ اور اُن کے حضور مین حسب ذیل موزون اور باموقعہ تقریر کی ۔

خالصہ جی! تمہارے وزیر کا بیٹا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پالک اس خالصہ اجلاس میں ایک ناچیز سائل کی حیثیت سے حاضر ہے ۔ آپ مہربانی کرکے یہ فرمائی ۔ کہ میں نے کیا قصور کیا ہے ۔ کہ آپ لوگون نے میرے چچا کو جو کہ فرنگیون کا طرفدار اور میرا جانی دشمن ہے ۔ میرے مارنے کیواسطے اسطرح یکبارگی یہان طلب فرمایا ہے ۔ کیا مجھکو آپ لوگون سے یہی اُمید تھی ۔ خالصہ فوج قوم اور ملک کی خادم ہیں ۔ میں ایسے بہادرون کے ہاتھ سے قتل ہونے کو رضامند ہون ۔ اور اُن کے ہاتھ سے مارے جانے کو بڑی عزت سمجھتا ہون ۔ لیکن آپ لوگون کو واہگورو جی کی قسم ہے ایسا نہ ہو کہ

ہیں ذلیل اور خوار کرکے مارا جاؤن۔ اگر آپ لوگ میرے چچا کے مددگار نہیں ہیں۔ تو اوس کا یہان کیا کام تھا۔ اور وہ اپنے کوہستانی وطن سے اس میدانی ملک میں کیون آیا ہے میں آپ کے وزیر کا بیٹا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پالک ہون۔ میری مدد کرو۔ اور میرے چچا کے ساتھ جو میرا دشمن ہے۔ لڑکر مجھ کو اُس کے آسیب سے بچاؤ۔

مجھکو یقین ہے اسکا اجر اور پھل آپ لوگون کو ست گورو سے ضرور ملیگا۔ یہ ایک ایسی فصیح تقریر تھی۔ کہ جسکو سنکر جملہ حاضرین راجہ ہیرا سنگھ کے پسینے پر اپنا خون گرانیکو تیار ہو گئے۔ اور گو افسران فوج کو اس خانہ جنگی کیواسطے تیار کرنے کے لئے اور کسی طرح جوش دلانیکی کوئی ضرورت نہ تھی۔ مگر راجہ ہیرا سنگھ نے ایک اور سوای یہ بھی لگادی۔ کہ اس خدمت کے معاوضہ میں فی سوار پیادہ اور گولہ انداز ایک ایک بُرکی۔ اور فی افسر ایک ایک کنٹھا انعام دینے کا بھی وعدہ کیا۔ بس یہان دیر ہی کیا تھی۔ ۱۵ ہزار پیادہ فوج اور ۴ ہزار سوارون کے رسالے اور ۵۶ توپون نے راجہ سوچیت سنگھ اور اُس کے چند ساتھیون پر فوراً لشکر کشی کردی۔ اور سیلابی پانی کیطرح سے میان وڈہی کی خانقاہ کو ایک پل میں جاکر ہر طرف سے گھیر لیا۔ گویا ایک مکھی کے شکار کے لئے ایک پہاڑ جنبش میں آیا۔ اور اُس کے پتھر ہر سو سے برسنے لگے۔

راجہ سوچیت سنگھ کو اس حملہ کی خبر پہلے سے ہو چکی تھی۔ بلکہ میان شرف الدین جو اس خانقاہ کا سجادہ نشین تھا۔ اُس نے محاصرہ کیوقت بہت کوشش کی۔ کہ کسیطرح سے راجہ صاحب جان بچا کر بھاگ جانے پر رضامند ہو جاوین تو وہ اُس کا عمدہ طور سے انتظام کر دیوے۔ حتےٰ کہ اُس نے یہ بھی برملا کہدیا۔ کہ اگر آپ یہان سے تشریف نہ لیجاوینگے۔ تو خانقاہ بھی مسمار ہو جاویگی۔ اور جو فقیر لوگ اُس میں رہتے ہیں۔ جن میں سے زیادہ نابینا ہیں وہ بھی مارے جاوینگے۔

ادہر گو راجہ ہیرا سنگھ نے اس کثیر التعداد فوج کے ساتھ راجہ صاحب موصوف کو اسطرح گھیر لیا۔ کہ جس طرح شکاریون کی ایک بڑی بھاری جماعت ایک تن تنہا شیر کے مارنے کیواسطے ہتھیار تیار بان کرتی ہے۔ لیکن تاہم راجہ ہیرا سنگھ کی خواہش اسوقت تک بھی یہ ہی تھی۔ کہ اگر راجہ صاحب موصوف اب بھی واپس جانا منظور کرین۔ تو فوج کو واپسی کا حکم دیا جاوے۔ لیکن اُس راجہ سوچیت سنگھ کو کہ جس کی دونون مونچھون پر دو نیمو ٹھہر سکتے تھے۔ یہ کب گوارا ہو سکتا تھا۔ کہ جمون کی جمہوریان اُس کو یہ کہکر بدنام کرین کہ راجہ سوچیت سنگھ میدان جنگ میں سے بھاگ آیا ہے۔ آخرکار باہر گولہ باری شروع ہوئی۔ آنکھون والے درویشون نے بھاگ کر جہان جس کے سینگ سمائے۔ وہان جا کر پناہ لی۔ اندھے فقیر وہان ہی ڈھیری ہو گئے۔ جب خانقاہ کی دیوارین بھی اوپر سے گرنے لگین۔ تو گرنتھی نے گرنتھ صاحب کی کتھا سماپت کی۔ اور شیرون کی جماعت خم ٹھوک کر میدان جنگ میں ننگے ہتھ چلے آئی۔ راجہ سوچیت سنگھ سکھون کی فوج کی پہلی قطار کے آگے اس بےفکری کے ساتھ چلا آیا۔ کہ جس طرح سے کوئی شیر شکار کھیلنے کے شوق سے بھیڑون کے اجّڑ میں چلا آتا ہے۔ اور اُن سے مخاطب ہو کر یون بولا۔

راجہ سوچیت سنگھ کی تقریر

سنو خالصہ جی! مجھکو وزارت کی کوئی آرزو نہ تھی۔ مین اپنے کوہستانی وطن میں بیٹھا ہوا تھا۔ تم لوگون نے میرے پاس پیغام بھیجے۔ اور ترغیب اور اُمیدین دیکر مجھکو یہان طلب کیا۔ جس پر مین آپ لوگون کا اعتبار کر کے یہان آیا اب آپ لوگ اس قدر جماعت کثیر کے ساتھ مجھکو مارنا چاہتے ہو۔ یہ آپ لوگون کو مناسب نہ تھا۔ بہرحال جو کچھ آپ لوگون نے میرے ساتھ سلوک کیا ہے۔ اُس کی مجھکو کوئی شکایت نہیں ہے۔ لیکن میری جماعت جسمین

صرف وہ ہی چند جان نثار ملازم ہیں۔ جنہوں نے کہ اس آزمایش کے وقت ہیں مجھہ سے جدا ہو کر زندہ رہنے کو پرم دکھہ اور ایک بڑی بھاری مصیبت خیال کیا ہے۔ آپ لوگوں کی فوج عظیم کے مقابلہ میں اس طرح ہے۔ کہ جس طرح آٹے میں نمک ہوتا ہے۔ اس لئے میری صرف یہ تمنا ہے۔ کہ اگر آپ لوگ اس جنگ کو ایک تاریخی وقوعہ بنانا چاہتے ہو۔ تو میرے ساتھ سچے بہادروں کی طرح لڑو۔ میں آگے بڑھتا ہوں۔ آپ لوگوں میں سے بھی ایک ایک آدمی آگے بڑھ بڑھ کر میرے ساتھ زور آزمائی کرے۔ تاکہ دنیا کو بھی معلوم ہو۔ کہ راجپوت لوگ کیسے بہادر ہوتے ہیں۔

یہ کہا۔ اور راجہ سوچیت سنگھ اس طرح آگے کو بڑھا۔ کہ جسطرح سے ایک شیر جسطرف چاہتا ہے۔ بلا ڈھرک چلا جاتا ہے اس کی تقریر کو سن کر سکھوں کی تمام فوج سُن ہو گئی۔ سب کے ہوش ہرن ہو گئے۔ کسی سپاہی کو آگے بڑھنے کی جرات نہ ہوئی۔ تمام فوج میں سنسنی سی چھا گئی۔ آخر کار رائے کیسری سنگھ جو راجہ سوچیت سنگھ کا وزیر بھی تھا۔ اور اپنی جوانمردی اور وفاداری میں بھی اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ اپنی جماعت میں سے نکلکر راجہ سوچیت سنگھ کے پاس گیا۔ اور ہاتھہ سے بگڑکر اپنی جماعت میں کنچ لایا۔

چند لمحوں تک دونوں فوجوں میں سے کسی نے بھی آگے کو پیش قدمی نہیں کی لیکن راجہ سوچیت سنگھ کی مٹھی بھر جماعت جنمیں ہمگی تمامی ڈہائی سو سوار اور ڈیڑھ سو پیادہ فوج شامل تھی سخت بیقرار تھی۔ اُن کا سر اُن کے جسم پر اُن کو جوش مردانگی سے بارگراں معلوم ہوتا تھا۔ جنگ میں مرنے کے برابر دنیاوی زنگی میں اُن کو کوئی ہی سوکہہ معلوم نہیں ہوتا۔ سب نے اپنے سر ہاتھہ پہ رکھے ہوئے تھے۔ حملہ کرنے والی فوج کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ کہ ان شیر دلوں پر جو موت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ حملہ کرے۔

آخر کار یہ ہی جوانمرد تلواریں سونت کر آگے کو بڑھے۔ اور دشمن پر اس طرح آکر

تلوار کی آگ برسانے لگے۔ کہ جسطرح کسی گہاس پہوس کے جنگل پر بجلی گر پڑتی ہے۔ مرتا کیا نہیں کرتا ہے۔ ڈوگرون نے یہ حملہ اس تندی اور جوش و خروش کے ساتھ کیا۔ کہ گویا سکہون کے دل میں موت آکر شکار کہیلنے لگی۔ تمام سکھ ایسے خوف زدہ ہوئے۔ کہ آگے کی چار پلٹنین واقعی طور پر اس طرح بہاگ نکلین کہ جس طرح ایک ہیڑون کا گلہ شیر کی شکل دیکھکر منتشر ہو جاتا ہے۔

تیس سکھ ایک وار میں ہی مارے گئے۔ اس سے سکھون کی فوج میں اور بھی گبراہٹ پیدا ہوئی۔ کسی میں بندوق چلانیکی طاقت نہیں رہی۔ حالانکہ راجہ ہیرا سنگھ ہاتھ میں مشعل لیکر پیچھے سے بار بار شاباش شاباش کے آوازے کس کر اُن کا حوصلہ بڑہاتا تھا۔

مگر بیچارے سکھ کیا کرتے جو آگے بڑہتا تھا۔ اوس کا سر اسیطرح کاٹا جاتا تھا۔ کہ جس طرح کوئی شخص گاجر یا مولی کو کاٹ ڈالتا ہے۔

ڈوگری تلوار کے آگے سکہون کی توپ اور بندوق بیکار ہوگئی۔ ڈوگرون نے اپنی مردانگی اور شجاعت کے خوب جوہر دکھلائے۔ ایسا کوئی ڈوگرہ نہ تھا جو کہ ایک دو سکہون کو مار کر نہ مرا ہو۔ بسنت سنگھ جو کہ راجہ سوچیت سنگھ کا مصاحب تھا۔ ١٧ سکہون کو تہ تیغ کر کے شہید ہوا۔ راجہ سوچیت سنگھ تین سکھون کو ملک عدم کی راہ دکھا کر دو گولیون سے زخمی ہوکر گر پڑا۔

رائے کیسری سنگھ اب تک ٩۔ آدمیون کو دشت عدم کیطرف روانہ کر چکا تھا۔ اس جوانمرد کا تمام جسم گہائے زخم سے جو کہ لاتعداد تھے۔ ایک باغ پہر بہار کیطرح شگفتہ تھا۔ زخم کہا کہا کر گر پڑتا تھا۔ لیکن دم سنبھال سنبھال کر پہر کمال طیش سے کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور مخالفین پر اسطرح حملہ آور ہوتا تھا۔ کہ جسطرح زخمی شیر حملہ کرتا ہے۔ جب وہ لاثانی بہادر جس کی دنیا میں کوئی نظیر نظر نہیں آتی۔ اس طرح سکھون کو قتل کر چکا۔ تو پہر اُس میں دوبارہ اُٹھنے کی طاقت نہیں رہی۔ آخر کار سر کے بل گر پڑا۔ اس جنگ میں سکھون کے کل ١٢٠ آدمی

مارے گئے۔ اور فریق ثانی میں سے کوئی بھی نہ بچا۔

بھیم سین جوکہ راجہ سوچیت کا دوسرا وزیر تھا۔ اُس نے بھی خوب بہادری دکھائی جب راجہ ہیراسنگھ نے دیکھا۔ کہ راجہ سوچیت سنگھ کا کوئی آدمی بھی جنگ کو جاری رکھنے کیواسطے باقی نہیں۔ تو اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ اور خود شہیدان جنگ کا ملاحظہ کرنے لگا۔ سب خاک کے بستر پر اپنے خون کی رنگین لحاف کو اوڑھ کر کمال آسودگی کے ساتھ ملک عدم کی چارپایون پر ایسے مست سو رہے تھے۔ کہ نہ اُن کو بیدار کرنے کی کسیکو طاقت تھی۔ اور نہ کوئی اُن کو کسی قسم کی تکلیف پہونچا سکتا تھا۔ بلکہ اب اُن کے دلون میں نہ کسی کا خوف تھا۔ اور نہ کوئی خواہش باقی تھی۔ لیکن ایک جوانمرد ہنوز زندہ تھا۔ اور یہ جوانمرد وہی رائے کیسری سنگھ سنگھ تھا۔ جس کا ثانی تجربہ کار جنگ آزمودہ اور بہادر سپاہی کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ سب سے پہلے راجہ ہیراسنگھ کی نظر اسی جودھے پر پڑی۔ اس وقت یہ رستم ثانی جانکنی کی حالت میں تھا۔ تاہم اُس نے راجہ ہیراسنگھ کو دیکھا اور جے دیوا کی۔ بلکہ اشارہ سے پانی مانگا۔ لیکن ہائے افسوس کہ اس سراپا مجسم شجاعت اور وفاداری کو جو کہ بجائے پانی کے آب حیات کا مستحق تھا۔ پانی کے ایک گھونٹ کے جگہ یہ خشک جواب ملا۔ کہ پنجاب کے میدانون میں پانی کہاں ہے۔ پانی کے چشمے پہاڑون میں ہوتے ہیں۔

رائے کیسری سنگھ نے جب راجہ ہیراسنگھ کا یہ جواب سُنا۔ حسرت سے اُس کی طرف ایک نگاہ کی۔ اور سُرگ کی راہ پکڑی۔

اُس کے بعد راجہ ہیراسنگھ ذرہ اور آگے بڑھا تو راجہ سوچیت سنگھ کی لاش کو اور مردون کے ساتھ خاک میں خون آلودہ اور اُفتادہ دیکھا۔ اب محبت کے خون نے رگون میں جوش مارنا شروع لیا۔ سینہ کینہ سے صاف ہوگیا۔ عداوت کی وحشت دور ہوئی۔ محبت کی انسانیت نزدیک آئی۔ اپنی کرتوت پر غور کیا۔

ڈوگرے لوگ چھتری راجاؤن اور تمام راجپوتون کو سلام یا بندگی کی جگہ جے دیوا کہتے ہیں۔ جس کے معنے ہیں۔ کہ اے دیوتم کو فتح حاصل ہو۔

دنیا کی بے ثباتی سے بھی دل پر چوٹ لگی۔ جو گھر پھوٹ تماشہ وقوع میں آیا تھا۔ اس سے سخت پشیمان ہوا۔ رنج و غم کی فوج نے ہر طرف سے آ کر دل کے قلعہ کو ایسا محصور کیا۔ کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ایک مظلوم عورت کی طرح بآواز بلند رونے لگا۔ خوب پھوٹ کر رو دیا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ جو پیشانی میں لکھا تھا۔ پیش آ چکا تھا۔ آخر کار راجہ سوچیت سنگھ کی لاش کو اپنی پالکی میں سوار کرا کر قلعہ کو لے آیا۔ رائے کیسری سنگھ اور بھیم سین کی لاشوں کی بھی عزت کی۔ اور آدمیوں کی لاشیں بھی اُن کی حیثیت کے مطابق عزت کے ساتھ جلائی گئیں۔

راجہ سوچیت سنگھ کی لاش تمام اہلکاروں کی موجودگی میں تمام عزت کے ساتھ جلائی گئی۔ اور جب تک وہ جلتی رہی۔ راجہ ہیرا سنگھ بھی وہاں ہی رہے۔ یہ جنگ سنہ ۱۸۴۴ء کو ہوا تھا۔

جب راجہ سوچیت سنگھ کی رانیوں کو اس وقوعہ کی خبر ملی۔ تو وہ سب کی سب جو تعداد میں پانچ تھیں۔ راجہ سوچیت سنگھ کی پگڑی کے ساتھ ستی ہو کر جل گئیں

راجہ ہیرا سنگھ کا مارا جانا

اصلی بات تو یہ ہے۔ کہ اگر رانی جنداں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے گھر میں نہ آتی یا اُس کی زندگی میں مر جاتی۔ تو نہ راجہ سوچیت سنگھ نہ جلا پنڈت اور نہ راجہ ہیرا سنگھ مارا جاتا۔ اور نہ خود رانی جنداں کا بھائی جواہر سنگھ بھی قتل ہوتا بلکہ نہ سکھ لوگ انگریزوں کے ساتھ احمقوں والی لڑائی لڑتے۔ اور نہ قوم اور ملک کی بربادی ہوتی۔ جس قدر عداوتیں پڑیں نفاق پھیلے اور خونریزیاں ہوئیں وہ سب اُسی کے حسن و جمال کے ایک نیم ناز کا نتیجہ تھیں۔ اس میں شک

نہیں ہے۔ کہ جلاّ پنڈت ایک سخت گیر آدمی تھا۔ اور بوجہ اپنی دیانتداری کے انتظام کو قایم رکھنا چاہتا تھا۔ اور بداعمالی شخصون کو سخت سخت سزائین دیتا تھا اور کسی کی سفارش بھی نہیں سُنتا تھا۔ بلکہ دریدہ دہن اور مونہہ پھٹ بھی پرلے درجہ کا تھا۔ اور بداعمال لوگ جنہون نے اس کو سخت بدنام کر رکہا تہا۔ چاہتے تھے۔ کہ وہ امورات سلطنت سے کسی طرح کنارہ کش ہوجائے۔ اور راجہ ہیرا سنگھ اُس کے اتفاق رائے اور مشورے سے کوئی کام نہ کرے۔

لیکن سب سے زیادہ اُس کی بربادی سردار لعل سنگھ نے کی۔ جو دراصل راجہ دہیان سنگھ کا سرکردہ تھا۔ اور راجہ ہیرا سنگھ سے زیادہ تر اس واسطے ناراض تھا۔ کہ اُس نے اُس کی آمد و رفت رانی جندان اور اوسکی بدکار گولی منگلان کے پاس سے بند کردی تہی۔

جو گہری سازشین اس سردار نے راجہ ہیرا سنگھ کے برخلاف کر رکھی تہیں۔ راجہ ہیرا سنگھ کو اُن کی بالکل خبر نہ تھی۔ باعث یہ تہا کہ ایک تو سردار مذکور اسکی اپنی پارٹی یا جماعت کا آدمی تہا۔ دویم اُس کی سازشین بہت گہری اور خفیہ تہیں اور اُن کے پوشیدہ رکھنے کے لئے اُس نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ روز روشن میں وہ راجہ ہیرا سنگھ کے مشورون میں شامل رہکر اُس کی طرفداری اور خیر اندیشی کا دم بہرتا رہا۔ اور رات کے وقت اُس کی عقل پر جوہین تاریکی کا پردہ پڑتا تہا۔ فوراً سردار جواہر سنگھ کے پاس چلے جاتا تھا۔ جس کو راجہ ہیرا سنگھ نے وزیر بنتے ہی قید کیا تھا۔ اور وہان جاکر در پردہ راجہ مذکور کی بیخکنی کے منصوبے کرتا تھا۔ جس میں رانی جندان اور منگلان گولی اس کا پورا پورا ہاتھ بٹاتی تہیں۔

جو زہریلا اثر ان منصوبہ بازون نے راجہ ہیرا سنگھ کی وزارت کے برخلاف ملک میں پہیلا رکھا تھا۔ اُس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ایک دن فوج کے چند چیدہ سردارون نے برملا راجہ صاحب مذکور کے پاس آکر حکماً کہا۔ کہ جلاّ پنڈت کو فوج کے حوالہ کردو۔ اس پر راجہ مذکور نے جلاّ پنڈت سے دریافت کیا۔ کہ اب فوج کو کس طرح خوش کیا جائے۔ جواب یہ ملا۔ کہ جو شخص راجپوتون

کی پناہ میں آتا ہے۔ راجپوت لوگ اپنا سر دیتے ہیں۔ لیکن پناہ گیر کو اُس کے دشمن کے حوالہ ہرگز نہیں کرتے۔ میں اس وقت آپکی پناہ میں ہون۔ اگر آپ راجپوت ہونیکا دعوی ترک کرتے ہیں۔ تو مجھکو فوج کے حوالہ کردیجئے۔ جلا پنڈت کی اس بات نے وہ اثر کیا کہ راجہ ہیرا سنگھ نے ایسی بیمروت اور شرمندگی کی زندگی پر موت کو ترجیح دی اور جلا پنڈت کو لیکر لاہور سے بھاگ نکلنے کی ٹھہرائی۔

مگر افسوس ہے کہ اُس نے مفرور ہونے میں بھی تاخیر کی۔ اُس کو آنیوالی مصیبت کا مفصل حال پہلے سے ہی معلوم ہوچکا تھا۔ اگر راجہ صاحب خبر پاتے ہی سر شام بھاگ نکلتے۔ تو بچ جاتے۔ لیکن وہ رات کو اسباب جمع کرتے رہے۔ ادہر اُن کے مخالف فوج کو اشتعال دیتے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ صبح دم فوج میں جمع ہونے کا بگل ہوا۔ بگل کی آواز سنتے ہی راجہ صاحب کے کان بھی کہڑے ہوئے۔ فوراً جلا پنڈت اور میاں سوہن سنگھ کو ہمراہ لیکر فیل سوار ہوئے۔ اور ایک جماعت کے سمیت دریائے راوی کے پار چلے گئے۔ یہان تک تو کچھ سکھ سردار بدین آرزو ہمراہ تھے۔ کہ اگر راجہ ہیرا سنگھ جلا پنڈت کو اب بھی فوج کے حوالہ کردیوے۔ تو اُسکی جان بچائی جائے۔ لیکن جب اُنہون نے دیکھا۔ کہ راجہ صاحب موصوف پنڈت مذکور کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑتے تو وہ سب مایوس ہوکر واپس ہوگئے۔ اور راجہ صاحب موصوف کی جماعت جلدی جلدی تارا گڈہ کے متصل جا پہونچی۔

یہان راجہ صاحب موصوف کی رات بہر کی بیداری رنگ لای نیند نے زور کیا۔ ذرہ آنکھ لگ گئی۔ مگر آرام کرنا اب کہان نصیب تھا۔ پیچھا کرنے والے سوار بڑے زور و شور سے آرہے تھے۔ اُن کے گہوڑون کے سمون کی آہٹ سے خواب حرام ہوگیا۔ فوراً سوار ہوکر پھر بھاگنے لگے۔ کہ اتنے میں راجہ سوچیت سنگھ کا رسالہ قریب آپہونچا۔ راجہ ہیرا سنگھ کو اُن سے پناہ ملنے

کی اُمید ہوئی۔ اور اُن کی طرف بڑھے۔ مگر جو سلوک راجہ سوچیت سنگھ کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ سب اُن کو یاد تہا۔ بجائے پناہ دہی کے وہ انتقام گیری پر اُتر آئے۔

یہ حال دیکھکر مایوس شدہ جماعت شاہدری میں داخل ہوئی۔ یہاں فوجی پٹھانون کے ڈیرے تھے۔ وہ بھی پناہ دہی سے منکر ہوئے۔ لاچار اجل رسیدہ جماعت اس سڑک پر چڑہ گئی۔ جو جمون کو جاتی ہے۔

اب جان کا بچاؤ دولت کے لوٹانے میں نظر آیا۔ جب سوارون کا کوئی دستہ تعاقب کرتے کرتے نزدیک آجاتا تھا۔ راجہ ہیرا سنگھ صاحب ایک اشرفیون کا توڑا کھولکر ہاتھی پر سے زمین پر گرا دیتے تھے۔ سوار لوگ جب تک اُسکو بٹورتے رہتے تھے۔ تب تک راجصاحب کی سواری ایک دو میل آگے جا نکلتی تھی۔ اور گو جرنیل شام سنگھ اور میوہ سنگھ سوارون کو اشرفیان اوٹھانے سے روکتے تھے۔ لیکن لالچی سوار ایک بھی نہیں سنتے تھے۔ ۱۲۔ کوس تک اسطرح سفر ہوتا رہا۔ مگر بکرے کی مان کب تک خیر مناتی۔ جلّا پنڈت جو درمیان میں ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔ آخر کار تھک کر گر پڑا۔ اُس کے گرنے کی دیر تھی۔ کہ پرجوش سوارون نے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ جب راجہ ہیرا سنگھ صاحب اور اُن کے ہمراہیون نے دیکھا۔ کہ پیچھا چھٹنا مشکل ہے۔ تو حالت مایوسی میں جرات پیدا ہوئی۔

دشمن کے ہاتھ سے پیٹھ پر زخم کھاکر مرنا داخل بزدلی اور بے شرمی خیال کیا۔ لاچار ایک گانو کے متصل ایک دیوار کے ساتھ دشمن کیطرف مونہہ کرکے کھڑے ہو گئے۔ تاکہ جو زخم لگے۔ آگے سے لگے۔ اور سنمکھہ ہو کر مرین۔

حملہ آور سوار تعاقب کرتے کرتے بہت نزدیک آپہونچے تھے۔ اُنہون نے جب اُنکو اس طرح سے نزدیک دیکھا۔ تو ایک باڑ جہاڑ دی۔ جس سے سب کا کام یکبارگی تمام ہوا۔ اور وہ راجہ ہیرا سنگھ جو کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا متبنی تھا۔ اور جس کی

جدائی مہاراجہ بخیسے سنگھ کو ایکدم کیواسطے بھی منظور نہیں ہوتی تھی - اس نمکحرام اور احسان فراموش فوج کے ہاتھ سے کہ جس کی طلب میں انہون نے فیاضانہ ایزادی کی تھی محض اس الزام پر کہ جلا پنڈت اُن کے حوالہ کیون نہیں کیا گیا - اس ذلت اور خواری سے ۲۱ - دسمبر ۱۸۴۴ء کو مارا گیا - اور اُس کا تمام اسباب ہاتھون ہاتھ لوٹا گیا -

میان سوہن سنگھ کا مارا جانا

۲۱ - دسمبر ۱۸۴۴ء کو جو شخص راجہ ہیرا سنگھ کے ساتھ مارے گئے تھے - اُن میں سے ایک شہید میان سوہن سنگھ بھی تھا - جو راجہ گلاب سنگھ کا دوسرا لڑکا تھا - وہ راجہ ہیرا سنگھ کے پاس تھوڑے سے عرصہ سے بطور یرغمال کے مقرر تھا اور ضرورت اُس کی یرغمالی کی اس طرح پڑی تھی - کہ جب راجہ سوچیت سنگھ کے مارے جانے کی خبر جمون میں پہونچی - راجہ گلاب سنگھ بہت گھبرایا - اور رنج و افسوس سے یون گویا ہوا کہ افسوس ہے - کہ اب راجہ ہیرا سنگھ اپنے بزرگون کو مار مار کر کل ہتھیا بھی کرنے لگا ہے -

راجہ ہیرا سنگھ راجہ گلاب سنگھ سے پہلے سے ہی ناراض تھا - اُس کا خیال تھا - کہ راجہ دھیان سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کی جاگیرین اور تمام دولت راجہ گلاب سنگھ نے زبردستی سے دبا رکھی ہیں - اور جب اُس نے سنا - کہ اب راجہ مذکور اُس کو کل ہتھیا کا الزام بھی لگاتا ہے - تو اور بھی رنجیدہ ہو کر فوراً بیس پلٹنین پیادہ فوج کی معہ ضروری حصہ توپخانہ اور رسالہ کے جمون پر حملہ کرنیکے لئے روانہ کردین - اور وجوہات لشکر کشی کی حسب ذیل ظاہر کین -

(۱) کہ راجہ گلاب سنگھ نے کچھ عرصہ سے ملک کا مالیہ ادا نہیں کیا - اسواسطے یہ مالیہ بہ ایزادی سوائی کے وصول کیا جاوے -

(۲) راجہ دھیان سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کی جاگیرین اور ملکیت سے وہ بیدخل

کیا جائے (۳) راجہ گلاب سنگھ لاہور میں حاضر رہ کر نوکری دیا کرے۔ لیکن جس آہستگی کے ساتھ لشکر کشی ہوئی۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ راجہ ہیرا سنگھ اصل میں لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ حملہ کی دھمکی دیکر اپنے باپ کی دولت اور چچا کی ملکیت کا حصہ وصول کرنا چاہتا تھا۔ اُس کی یہ حکمت عملی تو خوب تھی لیکن ہاتھی سے گنا لینا آسان نہیں ہے۔ راجہ گلاب سنگھ ان گیدڑ بھبکیون میں کب آنے والا تھا۔ ادھر لشکر کشی ہوئی۔ اور اُدھر راجہ گلاب سنگھ نے بھی جنگ کی تیاری کی۔ اور مشہور یہ کرا دیا۔ کہ امیر دوست محمد والی کابل اور سردار تیجا سنگھ پشاور کا گورنر اُس کی مدد دینے کو تیار ہے۔ بلکہ جہلم اور اٹک کے درمیان کا علاقہ بھی اُس کی تحریک پر بغاوت کرنیوالا ہے۔

نتیجہ اس شہرت کا یہ نکلا۔ کہ جب راجہ ہیرا سنگھ معہ فوج کے ستواری میں پہنچا تو بجائے فوج کے وہان سے راجہ گلاب سنگھ کے پاس جمون میں صرف ایک سفارت بھیجی گئی۔ جس میں دیوان دینا ناتھ۔ بھائی رام سنگھ۔ اور شیخ امام دین شامل تھے۔

راجہ صاحب موصوف اس سفارت کے ساتھ عمدگی سے پیش آئے اور سفارت کے ذہن نشین یہ بات کرائی۔ کہ راجہ ہیرا سنگھ کا چھوٹا بھائی میرے پاس آ کر مجھکو جو کہیگا۔ میں اُس کا کہنا مان لونگا۔ اس فیصلہ کے مطابق سفارت واپس ہوئی۔ اور میان جواہر سنگھ جمون میں بھیجے گئے۔ جس سے راجہ گلاب سنگھ صاحب کمال محبت سے بغل گیر ہو کر بولے کہ راجہ دھیان سنگھ کا دستور تھا کہ ہر روز صبحدم پہلے میرے پاس آتا تھا۔ اور پھر پیچھے سے دربار کو جاتا تھا میری بدنصیبی سے وہ مارا گیا۔ اور اب تم بجائے راجہ دھیان سنگھ کے ہو۔ مجھکو اُمید ہے۔ کہ راجہ ہیرا سنگھ تمہارا کہنا ضرور مانیگا۔ پہلے اُس نے راجہ سوچیت سنگھ کو مارا۔ اور اب اُس نے مجھ پر لشکر کشی کی ہے۔ معلوم نہیں کہ اپنے بزرگون کی خونریزی کر کے وہ کیون ناحق بدنام ہوتا ہے۔ اور کل ہتھیا

کا باپ اپنی گردن پر بار بار کیوں چڑھاتا ہے۔ اگر اُس کو ملک کی ضرورت ہے تو مجھکو اس میں بھی کوئی عذر نہیں ہے۔ لیکن میرا اور اُس کا جنگ کرنا کسیطرح مناسب نہیں۔

راجہ صاحب مذکور کی اس تقریر نے میاں جواہر سنگھ کے دل پر ایسا اثر کیا۔ کہ وہ فورا اُستواری میں اپنے بھائی کے پاس واپس گیا۔ اور نہایت عاجزی سے سمجھایا۔ کہ ایک چچا مارا گیا۔ اُس کی بدنامی ابھی دور نہیں ہوئی۔ اب آپ نے دوسرے چچا پر لشکر کشی کر دی ہے۔ باہمی خونریزی سے ایک تو اپنا خاندان ہی کمزور ہوتا ہے۔ دویم کل ہتھیا ہوتی ہے۔ جو چھتریوں کے دھرم کے برخلاف ہے۔ میاں جواہر سنگھ کی اس عرض و معروض کا جسمیں دیوان دینا ناتھ نے بھی بہت مدد دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ راجہ ہیرا سنگھ نے فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ لیکن آئندہ اطمینان کیواسطے قرار یہ پایا۔ کہ میاں سوہن سنگھ لاہور میں راجہ گلاب سنگھ کیطرف سے بطور یرغمال کے رہے۔ اور راجہ ہیرا سنگھ کے طرف سے جموں میں میاں جواہر سنگھ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جب راجہ ہیرا سنگھ جلا پنڈت کو ساتھ لیکر لاہور سے بھاگا۔ میاں سوہن سنگھ بھی اُس کے ساتھ تھا۔ راجہ گلاب سنگھ کو لاہور دربار کی ہر ایک بات کی خبر ایک ایک منٹ میں پہونچا کرتی تھی۔ جب اُس نے سنا کہ فوج ہیرا سنگھ سے بگڑ گئی ہے۔ تو اُس نے لاہور میں دیوان نہال چند کو بھیجا۔ اور اُس کے ذریعہ راجہ ہیرا سنگھ کو یہ پیغام پہونچایا۔ کہ فوج کو ناراض رکھنا عقلمندی میں داخل نہیں ہے۔ فائدہ اسی میں ہے کہ جلا پنڈت کو فوج کے حوالہ کر دو۔ لیکن جب راجہ ہیرا سنگھ نے اُس مشورہ کو نہ مانا۔ تو دیوان نہال چند نے لاچار ہو کر میاں سوہن سنگھ سے الگ ملاقات کی۔ اور اُس کو سمجھایا۔ کہ فوج کے ہاتھ سے راجہ ہیرا سنگھ کا بچنا مشکل ہے۔ ایسی جلتی آگ میں آپکا یہاں رہنا سخت خطرناک ہے

اور مہاراجہ صاحب کا حکم ہے۔ کہ آپ جمون کو چلے آوین لیکن میان سوہن سنگھ نے اس بات کو منظور نہیں کیا۔ اور کہا کہ جس شخص کے ساتھ کہانا پینا اور نشست و برخاست اکٹھی تھی۔ اُس کو اس مصیبت کے وقت مین اسطرح تنہا چھوڑ کر آپ جان بچا کر نکل بہاگنا انسانیت مین داخل نہین ہے۔ یہ سنکر دیوان نہال چند لاچار واپس لوٹا۔ اور میان سوہن سنگھ شہید ہونے کے خیال سے آخیر دم تک راجہ ہیرا سنگھ کے ساتھ رہا چنانچہ جب راجہ ہیرا سنگھ مارا گیا۔ تب وہ بھی مارا گیا۔

سردار جواہر سنگھ کی وزارت اور ہلاکت اور پُرچہون کی بدمستیان اور وحشت

راجہ ہیرا سنگھ کے مارے جانے کے بعد رانی جندان نے مدار المہامی کی استرون کی مالا اپنے بھائی سردار جواہر سنگھ کے گلے مین ڈالی۔ لیکن سردار جواہر سنگھ نے جس ذلالت کے ساتھ راجہ ہیرا سنگھ کو فوج کے ہاتھ سے قتل کرایا تھا۔ آخرکار وہ بھی اسی ذلالت سے ۲۱ ستمبر ۱۸۴۵ء کو اوسی فوج کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور باعث اُس کے مارے جانیکا یہ ہوا کہ اُس کی وزارت مین خالصہ سلطنت کی مہاراجگی کا دعویدار پشاورا سنگھ ہوا۔ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا نام نہاد بیٹا کہلاتا تھا۔ اور گوجرانوالہ کا جاگیردار تھا۔

پشاورا سنگھ نے دو دفعہ حکومت کا دعوی کیا۔ ایک دفعہ جب وہ دعویدار ہو کر لاہور مین پہونچا۔ تو رانی جندان نے اُس کے ساتھ بہت اچھا آو بھگت کیا۔ حتے کہ دربار مین بھی اُس کو مہاراجہ دلیپ سنگھ کے ساتھ مساوی درجہ پر بیٹھایا مگر جواہر سنگھ کو یہ بات نامرغوب ہوئی۔ جس پر پشاورا سنگھ حسب مشورے اپنے دوستون کے کہے ہوے آدیسے پر جنرل ابوطویلہ کے مکان مین جا اوترا۔ اور فوج نے اس کو سلامی دیکر اُس کی مددگاری پر کمر باندھی فوج کی اس حرکت سے سردار جواہر سنگھ اس قدر خوف زدہ ہوا۔ کہ اپنی ہمشیرہ کے مشورہ سے اُس نے فی سپاہی عہ کا کنٹھہ دینے کا وعدہ

کیا۔ جس پر تخت پر بٹھانے والی اور تخت سے اُتارنے والی فوج نے اُس سے خوش ہوکر پشاورا سنگھ کو لاہور سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ دوسری دفعہ پشاورا سنگھ جو کہ دراصل ایک نالایق شہزادہ تھا اٹک کو چلا گیا یہاں وہ گرد و نواح کے مسلمان سرداروں کی امداد سے قلعہ اٹک پر قابض ہوگیا۔ اور پنجاب کا مہاراجہ بن کر دوست محمد خان امیر کابل کے ساتھ خط و کتابت کرنے لگا۔

وزیر جواہر سنگھ نے یہ خبر سن کر اُس کی سرکوبی کے لیے لاہور سے کچھ فوج بھیجی۔ جس نے وہاں جاکر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے فرضی لڑکے کے ساتھ مقابلہ کرنا داخل نمکحرامی تصور کیا۔ اور اوس کے ساتھ جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔ اب اوس کے دماغ کا کیڑا نکالنے کے لیے سردار چتر سنگھ اٹاری والہ جو کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کا سسر تھا۔ اور فتح خان ٹوالہ جو ڈیرہ اسماعیل خان کا سردار تھا مقرر ہوئے۔

ان دونوں سرداروں نے اٹک میں داخل ہو کر جب جنگجوئی میں مطلب برآری نہ دیکھی۔ تو نامہ پیغام سے کام لیا۔ اور اُس کی جاگیر میں ایک لاکھ روپیہ کا اضافہ کرکے اوس کو یقین دلایا۔ کہ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بیٹا تسلیم ہوگا۔ اور اوس کو اجازت دی جائیگی۔ کہ لاہور میں شاہی اعزاز اور شان و شوکت کے ساتھ آمد و رفت کیا کرے۔ سرداران مذکور کی شیرین زبانی اور مکاری سے سادہ لوح شہزادہ اسقدر جھانسے میں آیا۔ کہ ۳۰ ماہ اگست کو قلعہ خالی کرکے اُن کے پاس چلا آیا۔ اور انہوں نے اُس کو برخلاف اپنے وعدوں کے فوراً کالا برج میں قید کرکے بوقت شب اُس کا گلا گھونٹ کر اوسکی لاش کو دریائے سندھ میں پھینکدیا۔ سردار جواہر سنگھ نے اس مژدہ کو سنکر جو دراصل اُس کی موت اور بربادی کا پیغام تھا۔ بہت خوشی کی۔ توپوں کی سلامی اور چراغانہ کی روشنی سے

کل لاہور کے کان کھڑے کر دیئے۔

مگر جب فوج کو معلوم ہوا کہ پشاورا سنگھ کو وزیر مذکور نے دغابازی سے مروا ڈالا ہے تو فوجی برچھیون کی نمکحلالی کے خون نے اُن کی رگون میں جوش مارا۔ اُسکے خون کے پیاسے ہو گئے۔ اور اُس رہی سہی ڈوگرہ جماعت نے جو ہنوز لاہور میں موجود تھی۔ اور جس کا سرغنہ میان پرتھی سنگھ ولد میان اربیل سنگھ تھا۔ جب دیکھا کہ ڈوگرہ قوم کے دشمن سردار جواہر سنگھ کو نیست و نابود کرنیکا وقت آگیا ہے۔ تو اُنہون نے بھی اپنے فوجی بھائیون کو لون مرچ لگاکر خوب اشتعال دلایا۔ اور اُس کی مخالفت کی آگ اس حد تک بھڑکائی۔ کہ بجز دو باڈی گارڈ پلٹنون کے جو خاص جواہر سنگھ کی تھیں۔ کل فوج نے اتفاق کرلیا۔ جس پر فوجی پنچون نے ادہر تو کچھہ فوج بھیجکر جواہر سنگھ کی طلبی کی۔ اور ادہر قلعہ کا بھی محاصرہ کرلیا۔

وزیر مذکور مایوسی کی حالت میں جب فوج میں حاضر ہونے پر تیار ہوا۔ تو رانی جندان نے بھی اُس کی ہمراہی پر کمر باندہی اور اس طرح وزیر کی سواری کا ایک بڑا بھاری جلوس بنگیا۔ رانی جندان معہ اپنی تمام گولیون کے فیل سوار ہوئی۔ کچھہ کنیزین خاص اُس کے ہاتھی پر اور پس ماندہ اور ہاتھیون پر سوار کرائی گئیں چند ہاتھیون پر روپیون اور اشرفیون کے توڑے لادے گئے۔

باوا زاین سنگھ اور بھائی چٹو جو سکھون کے پیشوا تھے۔ وہ بھی رفاقت کا دم بھرنے کو ساتھ ہو گئے۔ جواہر سنگھ خود جس ہاتھی پر بیٹھا۔ اُس نے مہاراجہ دلیپ سنگھ کو بھی اُسی ہاتھی پر اپنی گود میں بٹھالیا۔

ایک ہزار حمایتی فوج نے بھی ساتھ دیا۔ اور ۲۱ ستمبر کو وزیر مذکور اس تمام جلوس کے ساتھ فوج میں گورو کا نام لیکر [illegible] گیا۔ جہان رانی اور وزیر نے فوج سے معافی مانگی۔ داد و دہش سے بھی کام لینا چاہا۔ مگر فوجی برچھیون نے جواہر سنگھ کے ہاتھی کو گھیر کر دلیپ سنگھ کو اُس سے جبراً چھین لیا۔ جس پر جواہر سنگھ نے

ہاتھ جوڑ کے بہت عاجزی کی - اور کہا کہ پہلے میری ایک بات سُن لو تو جو چاہو سو کرو - کہ اتنے میں کسی شخص نے بائیں طرف سے ایک ضرب سنگین کی رسید کی - دوسری طرف سے کسی نے سر میں گولی ماری - جس کے لگنے سے وزیر ہاتھی کے ہودے سے زمین پر گر پڑا - باوا ازاین سنگھ اور بھائی [illegible] بھی مارے گئے - جو دولت دادو دہش کیواسطے ہمراہ لائی گئی تھی - وہ لوٹی گئی اور وزیر کی لاش گھسیٹی گئی -

رانی کیواسطے پنچون نے پہلے سے ہی خیمے لگا رکھے تھے - وہ جبراً مع اپنی خواصون کے ان خیمون میں رکھی گئی - اور دلیپ سنگھ فوج میں سکونت پذیر کیا گیا - رانی رات بھر پیٹتی رہی - صبحدم اُس کو لاش بھی دکھائی گئی جس کو دیکھکر اُس نے سخت سیاپہ کیا - دو دفعہ خود بھی لاش پر گر پڑی - اور دلیپ سنگھ کو بھی لاش پر پھینکا - دوپہر تک اُس نے لاش کو اپنے سے جدا نہونے دیا - آخر کار کچھہ زور سے اور کچھہ زاری سے کام لیا گیا - اور وہ لاش سے بصد مشکل جدا کی گئی - جس کے بعد لاش مذکور بموجب [illegible] سرداروں مستی دروازہ کے باہر پہونچی گئی - اور مقتول کی عورتین بھی اُس کے ساتھہ ستی ہوئیں - مگر فوجی پوربیون کے اخلاق اب ایسے بگڑ گئے تھے - کہ ستیون کا بھی ادب نہیں کیا - ستی ہونے والی سردارنیان جسقدر زیورات اور پارچات دان کرنیکیواسطے اپنے ساتھ لائی تھیں - ان شیطان صورت اور حیوان سیرت مرد نما نامرد پوربیون نے صرف اُن کے لوٹنے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ جھپٹ جھپٹ کر اُن کی کانون کی بالیان اور ناکون کی نتھنیان بھی اُتار لین - حتے کہ جب وہ اپنی جان کا خاتمہ کرنیکیواسطے چکا پر سوار ہوئیں - ان وحشیون نے اُس وقت اُن کے قیمتی پارچون کی زری اور گوٹہ کے لالچ سے جھپٹ مار مار کر اُن بیچاریون کے دامن بھی پھاڑ ڈالے -

بیکس ستیون کے ساتھ جب اس قدر ظلم ہوا - اور کوئی شخص انکو [illegible]

کی ان دست درازیون سے نہ بچا سکا - تو لاچار ستیون نے جلنے سے پیشتر اپنے ہاتھ آسمان کیطرف بلند کر کے یہ دعا مانگی - کہ ہے پرم آتما تو کل سکھ قوم کا بیڑا غرق کر - اور آخر کار ایسا ہی ہوا -

جب لاش جل گئی تو رانی بھی قلعہ میں داخل ہوئی - مگر بھائیون کے قاتلون کی تلاش میں سخت سرگرم رہی - اور دستور یہ پکڑا کہ روزمرہ اپنی خواصون کو ہمراہ لیکر شہر میں سے گریہ وزاری کرتے ہوئے بھائی کی سمادہ پر جایا کرتی تھی - چند ہفتون تک اس کا لگاتار یہی معمول رہا - جس پر فوج کے پنچون نے یا یون کہو کہ وحشی برچھون نے اُس کو خوش کرنیکیواسطے بہت عذرخواہیان کیں - اور آخر کار جواہر مل ڈوگرہ کو جو کہ راجہ سوچیت سنگھ کا دیوان تھا - قاتل قرار دیکر اُس کے حوالہ کیا - اور میان پرتھی سنگھ وغیرہ دیگر ڈوگرون کا بھی جنہون نے کہ فوج میں روپیہ تقسیم کیا تھا - سازشیون کی فہرست میں نام ظاہر کیا - جس پر یہ تمام ڈوگرے پنجاب سے نکالے گئے -

اب رانی نے ایک کونسل بنائی - جس کے ممبر دیوان دینا ناتھ - بھائی رام سنگھ اور راجہ لعل سنگھ قرار دیئے گئے - گو رانی دلیپ سنگھ کے نام سے اس کونسل کے مشورے سے ملک کی حکومت خود کرتی تھی - لیکن اصلی طاقت اور حکومت فوجی برچھون اور اُن کے پنچون کے ہاتھ میں تھی - یہ سب وزارت کا عُہدہ راجہ گلاب سنگھ کو دینا چاہتے تھے - جو واقعی طور پر عمدہ انتخاب تھا - لیکن اُس نے وزیر بننے سے انکار کیا -

کچھ دنوں کے بعد رانی نے سردار لعل سنگھ کو وزیر بنانا چاہا - لیکن فوج نے رانی کو کے اس انتخاب کو اس واسطے ناپسند کیا - کہ وہ عام طور پر اس کا آشنا خیال کیا جاتا تھا - اور اس پر وزارت کا عہدہ سردار تیجا سنگھ کی نذر کیا گیا جو جمعدار خوشحال سنگھ کا بھتیجا اور پشاور کا صوبہ تھا - مگر اُس نے بھی انکار کر دیا -

---

نوٹ - جو روپیہ ڈوگرون نے وزیر جواہر سنگھ کے برخلاف تقسیم کیا تھا وہ انکو سردار لال سنگھ نے دیا تھا -

آخر کار راجہ گلاب سنگھ - راجہ لعل سنگھ اور سردار تیجا سنگھ وزارت کے اُمیدوار قرار دئیے گئے - اور تجویز یہ ٹھہری - کہ ان تینون کے نام کی چٹھیان مہاراجہ دلیپ سنگھ کے آگے رکھی جاوین اور جس کے نام کے چٹھی کو وہ اُٹھا لیوے - وہی وزیر قرار دیا جاوے -

اس تجویز کو فوج نے بھی قبول کیا - اور سب کی موجودگی میں اس پر عمل درآمد ہوا لیکن ملک کی بدنصیبی سے مہاراجہ دلیپ سنگھ نے وہی چٹھی اُٹھائی جس پر کہ لال سنگھ کا نام لکھا ہوا تھا - اب سردار لال سنگھ وزیر اعظم اور سردار تیجا سنگھ فوج کا سپہ سالار بنا - مگر فوج اس انتظام سے دراصل شاکی رہی - اس لئے کچھ عرصہ کے بعد انہون نے پھر سرکشی ظاہر کرنی شروع کی حتی کہ مہاراجہ شیر سنگھ کے بیٹے کو بادشاہ بنانا چاہا - اب رانی نہ اُن کا مقابلہ کر سکتی تھی - اور نہ اُن کو رشوت دیکر اپنا طرفدار بنا سکتی تھی - کیونکہ خزانے خالی تھے - اور اُس کا چال و چلن اچھا نہیں خیال کیا جاتا تھا اس واسطے اُس نے اپنے سردارون اور وزیرون کے مشورے سے فوج مذکور کو ترغیب دی - کہ حدود انگریزی میں داخل ہو کر ہندوستان کو فتح کرے - یہ وہ تجویز تھی - کہ جس نے آخر کار سکھون کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا اور کچھی برچھون کا نشہ بھی کرکرا ہوا -

کوتاہ اندیش اور نمکحرام اہلکارون کی اولاد بھی اس سرداری کے درجہ سے جس پر اُن کو شیر پنجاب نے پہونچایا تھا گر گئی - اور اس مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اولاد بھی کہ جس نے پنجاب کے چھوٹے چھوٹے سردارون کو ایک عظیم الشان سلطنت کے ماتحت کر کے پنجاب کو مسلمہ طاقت بنا دیا تھا - ایسی ذلیل ہوئی - کہ اُس کا نام و نشان ہی نہ رہا -

خالصہ فوج کا حدود انگریزی میں داخل ہونا

یہہ معلوم نہیں ہوتا کہ رانی چندان اور اُس کے اہلکارون نے خالصہ فوج

کو حدود انگریزی میں داخل ہونیکا کیون حکم دیا۔ بعضون کے نزدیک یہ خطرناک مشورہ اس مجبوری سے دیا گیا تھا۔ کہ بخیال اُن کے سرکار انگریزی کسی قسم کی مداخلت یا دراز دستی کرنے لگی تھی کیونکہ رانی جندان کے پاس متواتر رپورٹین آئی تہیں۔ کہ حکام انگریزی نے ستلج کے پار کا بیشمار علاقہ دبا لیا ہے۔ اور حملہ کرنے کیواسطے بہی لشکر جمع ہو رہی ہے۔ اکثر مورخون کا یہ خیال ہے۔ کہ بیرونی خطرہ کوئی بھی نہیں تھا۔ یہ تجویز صرف سرزور اور مونہہ زور خالصہ فوج کا سر کچلنے کیواسطے کی گئی تھی۔ تاکہ وہ پہاڑ کے ساتھ ٹکر لگا کر سر پہوڑ مرے۔ بعض باریک بین نگاہون کا یہ خیال ہے۔ کہ خالصہ سلطنت کی مسلسل خانہ جنگیون اور خونریزیون سے انگریزی پولٹیکل افسرون کو پولٹیکل فایدہ اُٹہانیکی سوجھی۔ اس واسطے اُنہون نے ایسے سامان پیدا کر دئے کہ سرحدی بیوقوف سکھ حکام نے یا تو جہالت سے یا نمک حرامی سے سچی جھوٹھی رپورٹین حکام انگریزی کے برخلاف بہیجکر دربار لاہور کو انگریزون سے بدظن کرا دیا۔

اسی قسم کی اور بہی بہت سی وجوہات اس حملے کی تایئد اور تردید میں ظاہر کیجاتی ہین۔ لیکن اصلی وجہ کوئی بھی معلوم نہیں ہوتی۔ میرے نزدیک نہ تو سرکار انگریزی نے کوئی علاقہ دبایا ہوگا اور نہ کسی پولٹیکل افسر نے کوئی سازش کی ہوگی قرین قیاس یہ وجوہات ہین کہ خالصہ فوج کی بددماغی اور بدمستی دیکہکر ضرور ہے کہ سرکار انگریزی نے تو اپنی سرحدی چوکیون پر اس واسطے فوج زیادہ کی ہو۔ کہ خالصہ لوگ انگریزی علاقہ مین بھی بدامنی پہیلانے کی جرات نہ لا سکین۔ جیسا کہ اُنکی بدحوصلگیون سے پایا جاتا تھا۔

لیکن بد لوگون نے انگریزی فوجی فراہمی اور نقل و حرکت کو کسی اور نظر سے دیکھکر دربار لاہور مین خواہ مخواہ کی بدظنی پہیلائی ہو گی بوجہ جس سے حواس باختہ اور بدنصیب رانی چندان نے انگریزی فوج کی اس احتیاط کو حملہ کی تیاری خیال کر کے بیوقوف اہلکارون کے مشورہ سے ادہر تو اپنا بچاؤ اسی مین سمجہا ہو کہ ادہر سے ہی حملہ کر دیا جاے

اور اُدہر بھی خیال کیا ہو۔ کہ خالصہ فوج سے محفوظ رہنے کی ترکیب یہی ہے کہ اُس کو انگریزون کے ساتھ لڑا مارا جائے۔

اگر ان وجوہات میں سے کوئی وجہ بھی درست ہے یا بالفرض محال اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ اس قسم کا حکم صادر کرنے کے لئے کوئی بیرونی سازش تھی۔ یا واقعی طور پر خالصہ دربار کو کوئی بیرونی خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ جیسا کہ یقین دلایا جاتا ہے۔ تو پھر یہ بھی ماننا پڑتا ہے۔ کہ جن بھولے بھالے اہلکارون نے فوج کو رانی جندان سے ایسا حکم دلوایا۔ اگر وہ نمکحرام نہیں تھے۔ تو کم از کم شیخ چلی کیطرح کج فہم تو ضرور تھے۔ اور اگر اپنے ملک اور مالک کے دشمن بھی نہیں تھے۔ تو اُن کے دوست نادان ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ کیونکہ جس شخص کی عقل نہایت موٹی ہو۔ اُس کو بھی صاف طور پر یہ نظر آسکتا تھا۔ کہ ایسا گھر پھونکنے والا حکم دینے سے صرف جرنیل ہی کمزور نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ جو قیمتی سامان جنگ اُن کے پاس تھا۔ اس سے بھی انکو ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ اور جو قیمتی آلات جنگ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی تمام عمر میں جمع کئے تھے۔ وہ بھی دریا میں جھونکنے پڑتے تھے۔ اور علاوہ ازین بیتواندہون کو بھی نظر آرہا تھا۔ کہ دریائے ستلج کے پار ایک شیر ببر کھڑا تھا۔ جو صرف شکار کھیلنے کا ہی عادی نہیں۔ بلکہ بدمست شکار کو اس واسطے بھی پھاڑ ڈالتا تھا کہ مبادا وہ کسی وقت کوئی نقصان نہ پہونچا سکے اور یہ شیر مدت سے دم ہلا ہلا کر اور دہمکیان دے دے کر اس بات کا خواہشمند تھا۔ کہ کاش کوئی ایسی صورت پیدا ہو کہ وہ اس دریائے عمیق کو کود پھاند کر بلا کسی روک ٹوک کے لاہور میں داخل ہو سکے۔ تاکہ وہان کی بھیڑ اور بکریون کو اپنا لقمہ بنانے میں کامیاب ہو۔

پھر یہ بھی آفتاب کیطرح نظر آرہا تھا۔ کہ ایسی حالت میں اگر سکھون کی فوج اس گرجنے والے شیر کے سرہانے پر جاکر نقارے بجائیگی۔ تو شیر مذکور خشم آلودہ ہوکر صرف اُن کے سر کو ہی نہیں آدبوچیگا۔ بلکہ اُن کی لاتعداد لاشون کو دریا میں پھینک کر اُن پر سے جستین لگاتا ہوا لاہور میں بجلی کیطرح آپہونچیگا۔ اور وہان جس دستہ کو

اپنی خوراک کے لایق سمجھیگا۔ اُس کو کمال آزادی کے ساتھ چیر پھاڑ کر اُس کے شہرین خون سے اپنا حلقوم تر کریگا۔

بہرحال یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ سکھون کی فوج انگریزون کے ساتھ کس نیت سے لڑائی گئی۔ لیکن یہ ایک واقعی امر ہے۔ کہ ایسا حکم دو دفعہ دیا گیا۔

پہلا حکم معرض التوا میں اس واسطے پڑا۔ کہ سامان جنگ بہم نہ پہونچ سکا۔ اور رانی جندان اسی تشنویش میں پہلے امرتسر کو گئی پھر وہان سے باغ شالامار میں پہونچی۔ جہان اُس کے وزیرون نے پہلے تو یہ مشہور کیا۔ کہ انگریز لوگ دریائے ستلج کو عبور کر کے خالصہ عملداری کی حدود میں داخل ہو کر پنجاب کی رعایا سے باج مانگتے ہیں۔ بلکہ اس بیان کی تائید میں اُنہون نے تحریری دستاویزین بھی پیش کیں۔

پھر ماہ نومبر میں ایک عام دربار لگایا گیا۔ جس میں بموجودگی منجملہ سرداران اور فوجی پنچون کے دیوان دیناناتھ نے ایک چٹھی پیش کی۔ اور کہا کہ یہ چٹھی ایک سکھ کاردار نے حدود ستلج سے بھیجی ہے۔ اور اسمیں لکھا ہے کہ انگریز لوگ ستلج کے اسطرف آکر رعایا سے باج مانگتے ہیں۔ اور لوگون کو سخت تکلیف دیتے ہیں۔ اس چٹھی کے سنانے کے بعد یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ کشمیر اور پشاور ہمارے ہاتھون سے نکلنا جاتا ہے۔ اور اُن دونون علاقون سے اب ایک کوڑی بھی خزانہ سلطنت میں داخل نہیں ہوتی ہے۔

اس کے بعد ایک روز مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادہ پر ایک اور اجلاس کیا گیا۔ جس میں سردار لعل سنگھ وزیر اعظم اور سردار تیج سنگھ سپہ سالار فوج قرار پایا۔ یہہ دونون سردار کسی طرح سے بھی ان جلیل القدر عہدون کے لایق تھے یہان فوجی پنچون نے قسمین کہائین۔ کہ وہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کی نمک حلالی اور جدید وزیر اعظم اور سپہ سالار فوج کی فرمانبرداری کرینگے۔

اس اجلاس میں پھر شکایت کی گئی۔ کہ انگریز ستلج کے اس طرف اُتر آئے ہیں۔ اور رعایا سے باج مانگتے ہیں۔ اپنی حدود میں مورچہ بندیان کر رہے ہیں۔ راجہ

سوچیت سنگھ کا ۱۶۔ لاکھ روپیہ جو خزانہ فیروزپور میں تھا۔ اُس کے دینے سے انکاری ہیں۔ اور خالصہ فوج کو سوائے ادا کرنے محصول کے ستلج کے جنوب میں پروانہ راہداری دینے سے انکاری ہیں۔ سندھ میں انگریزی فوج ملتان پر حملہ کرنیکے لئے آراستہ ہو رہی ہے۔ اور ستلج پر پل بنانے کے واسطے بمبئی میں کشتیاں تیار ہو رہی ہیں۔

اس قسم کی جوش پیدا کرنے والی وجوہات کے بعد گرنتھ پرشاد تقسیم ہوا۔ اور ۱۸ دسمبر ۱۸۴۵ء کو پچاس ہزار خالصہ فوج معہ ۱۰۸ توپوں کے ہری کے پتن سے پار ہو کر سرکار انگریزی کو مغلوب اور متھرا دہلی اور بنارس کی لوٹ سے اپنے ہاتھ رنگنے کے خیال سے فیروزپور کی طرف بڑھی۔

اس وقت ہندوستان کے گورنر جنرل سر ہنری ہارڈنج اور سپہ سالار فوج سر ہیو گف صاحب تھے۔ اب جنگ شروع ہو گیا۔ خالصہ فوج کی کمان افسر سردار لال سنگھ تھے۔

اور انگریزی فوج کی رہبری ایک طرف سے سر ہیو گف اور دوسری طرف سے خود گورنر جنرل کر رہے تھے۔

دونوں قوموں میں پانچ جنگ ہوئے۔ پہلا جنگ مدکی کے نزدیک۔ دوسرا جنگ فیروزشہر کے نزدیک۔ تیسرا جنگ بدووال میں۔ چوتھا جنگ علیوال میں اور پانچواں جنگ سبراؤں میں۔

ان جنگوں میں انگریزی فوج کے افسروں نے قوم اور ملک کی عزت اور ناموری کو قائم رکھنے کے واسطے اپنے فرض منصبی کو سچے بہادروں کی طرح نہایت مستعدی اور جانفشانی سے ادا کر کے خوب داد شجاعت دی۔ لیکن سردار لال سنگھ اور تیج سنگھ کی بابت بیہ مکاری و دغا بازی۔ نمک حرامی اور بزدلی [illegible] دونوں سرداروں کی حرکتوں سے بہ صاف طور سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اپنی فوج کو کسی انتظام کے [illegible] نہیں لیجا رہے تھے۔ بلکہ دشمن سے [illegible]

گلا دیدہ و دانستہ کٹوا رہے تھے۔

سردار لعل سنگھ جس کو اپنی کرتوت معلوم تھی۔ اول تو ہر ایک منزل میں اپنی فوج سے اس خوف سے الگ رہتا تھا۔ کہ مبادا اُس کی فوج جو اُس کو سخت نفرت سے دیکھتی تھی۔ اوس کو نشانہ بندوق نہ بنا دیوے۔ دویم جب حملہ کرنیکا وقت ہوتا تھا۔ اوسوقت فوج کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیتا تھا۔ اور جب پیچھے ہٹ جانا چاہئی تھا۔ تب آگے کو لیجا کر خود مفرور ہو جاتا تھا۔

مدکی کے جنگ میں جب سردار لعل سنگھ نے دیکھا۔ کہ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ اور دونوں فوجیں خوب تندہی سے لڑ رہی ہیں۔ تو اپنی فوج کا حوصلہ بڑہانے کی جگہ وہ خود مفرور ہو گیا۔ لیکن سکھوں نے اُس کی دغابازی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور بے سردار فوج خوب لڑتی رہی۔

اسیطرح ۲۲ دسمبر کے جنگ میں جب رات کی لڑائی میں انگریزی فوج کے انتظام کا تمام سلسلہ بگڑ گیا۔ تو سکھوں کی فوج کیطرف سے قرار یہ پایا تھا۔ کہ جو خالصہ فوج جنگ میں مصروف ہے۔ وہ صبح دم پھر جنگ چھیڑ دیوے۔ اور دوران جنگ میں سردار تیج سنگھ اپنی پانچہزار پیادہ فوج اور ۷۰ توپوں کے ساتھ جو اُسی روز پہونچی تھی اور تازہ دم تھی۔ انگریزی فوج پر حملہ کر دیوے۔ اگر اس تجویز کی تکمیل سردار تیج سنگھ دیانتداری سے کرتا تو رات کی بھوکی پیاسی اور گھبرائی ہوئی انگریزی فوج کا اُسدن شکست پا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ لیکن سردار تیج سنگھ نے بھی سردار لال سنگھ کی طرح دغابازی کی۔ جب فوج کو مدد کی ضرورت تھی۔ اُس وقت سردار مذکور چپ ہو رہا۔ اور جب لڑنے والی خالصہ فوج کا خاتمہ ہو گیا۔ تو اوس کے بعد اپنی پانچہزار فوج کو بھی نشانہ بندوق بنانیکواسطے آگے کو بڑہا۔ اور اُس کے بعد جب دیکھا کہ شکست یافتہ خالصہ فوج میں بھاگڑ پڑ گئی ہے۔ اور ستلج کو عبور کرنا چاہتی ہے تو خود دریا کے پار ہو کر کشتیوں کا پل کٹوا ڈالا۔

ان سرداروں کی اس قسم کی حرکات سے یہ مبالغہ میں داخل نہیں ہے اگر

اُنہون نے بجائے باروت کے اپنی لڑنے والی فوج میں رنگی ہوئی سرسون تقسیم کی ہو۔ جیساکہ ان کے برخلاف عام طور پر کہا جاتا ہے۔ باوجود ان سردارون کی اس قسم کی دغابازیون اور بزدلیون کے انگریزی مورخون نے تسلیم کیا ہے۔ کہ بے سردار سکھون کی فوج خوب لڑی۔ اور انگریزی فوج کا ان جنگون میں جسقدر نقصان ہوا ہے اس قدر نقصان اس سے پہلے ہندوستان کے اور کسی جنگ میں نہیں ہوا تھا۔ بلکہ چند افسر ایسے مارے گئے۔ جو نہایت نامی گرامی تھے۔ سکھون کی بہادری کی اگرچہ عموماً تعریف کی جاتی ہے۔ لیکن سردار شام سنگھ اٹاری والے کے بہادرانہ کارنامے آج تک مشہور ہیں۔ اس پیر مرد سچے سکھ نے پہلے تو سکھون کو سمجھایا کہ انگریزون کے ساتھ جنگ کرنا مناسب نہیں ہے اور جب جنگ جاری ہو گئی تو اوس نے اپنی سفید داڑھی کھولدی۔ اور بدن پر ایک سفید چادر لپیٹ کر شہید ہونیکے واسطے آگے کو بڑھا۔ قدم قدم پر گورو کی بانی پڑھکر اپنے سکھ بھائیون کا خوب حوصلہ بڑھاتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ گورو مہاراج اپنی بانی میں فرما گئے ہیں کہ سورما آدمی دائمی سوکھ کو پراپت ہوتا ہے۔ وہ ایک سچا بہادر آدمی تھا۔ اور ایک سچے بہادر آدمی کیطرح ملک اور قوم کیخاطر شہید ہوا۔ بوجہ جس کے اُس کا نام ہر جگہ عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

اسی طرح سے مسمی ہرمایگ فرنگی باشندہ ہسپانیہ نے جو کہ سکھون کا ملازم تھا۔ جو جنگی مورچہ بندیان اور تیاریان سکھون کو کردی تھیں۔ اُن کی عظمت کی بہت تعریف کی جاتی ہے۔ بہرحال سکھون کی اُس فوج کو جس نے لوٹ مار کے خیال سے انگریزی علاقہ پر حملہ کیا تھا۔ ۱۱ فروری ۱۹۴۵ء کو کامل شکست ہوئی۔ ان تمام جنگون میں کہا جاتا ہے۔ کہ سکھون کے ۱۲ ہزار آدمی مارے گئے۔ اور انگریزی فوج کے نقصان کی تعداد دو ہزار مقتول اور پانچ ہزار زخمی تھی۔ لیکن حالات جنگ ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ انگریزی فوج کا اندازہ لگانے میں کسی قسم کی غلطی ہوئی ہے۔ اور اغلباً [illegible] کی تعداد بہت کم ظاہر کی گئی ہے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے مخالف

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد لاہور مسلسل طور پر سازشون خونریزیون اور منصوبہ بازیون کا مرکز بن گیا تھا۔ ہر ایک آدمی ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی بھڑائی میں مصروف تھا۔ جو شخص اپنے گھر سے نکلتا تھا۔ واپسی کی اُس کو کوئی اُمید نہیں ہوتی تھی۔ کسان مسلح ہونے کے بغیر ہل نہیں جوت سکتا تھا۔ اور یہ ہی کیفیت گڈریہ کی تھی۔ جو اپنی بھیڑون کی حفاظت جان کو جوکھون میں ڈالے بغیر نہیں کر سکتا تھا۔

بے عملی اور بد نظمی کا زور ہو گیا تھا۔ اور خالصہ حکومت بالکل کمزور ہو چکی تھی۔ جس سے ہر ایک مرد بشر کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے ہوئے تھے۔ اندھیر مچا ہوا تھا۔ اور جا بجا لوٹ مار ہوتی تھی۔ لاہور کے گرد و نواح میں تو پھر بھی برائے نام تھوڑا بہت انتظام اور رعب و داب قایم تھا۔ لیکن دور دست اضلاع میں کسی قسم کی حکومت نہیں تھی۔

مہاراجہ شیر سنگھ کے عہد میں جب رانی چند کور کو نو لاکھ روپیہ کی اور جاگیر علاقہ چبال میں ملی۔ اُس نے اپنی طرف سے اُس علاقہ کا تصرف کرنے کے واسطے وہان مہاراجہ گلاب سنگھ کو بھیجا۔ اور اپنا لاکھون روپیون کا مال و اسباب نقد جنس جدید جاگیرون پہونچانیکے لئے مہاراجہ موصوف کے حوالہ کیا۔ جس کے بعد رانی مذکورہ جب مروا ڈالی گئی۔ تو اس دن سے مہاراجہ موصوف نے لاہور کا بگڑا ہوا رنگ دیکھکر وہان کی آمد و رفت اور بود و باش ترک کر کے جمون کی رہائش اختیار کی بعد اپنے بزرگون کی اس چھوٹی سی پہاڑی ریاست کی اصلاح درستی اور خبرگیری میں مصروف ہو گئے۔ مطلب اس کنارہ کشی کا یہ تھا کہ مہاراجہ موصوف لاہور کے تنازعون سے علیحدہ رہنا چاہتے تھے۔ اور ان فتنے اور فسادون سے یہان تک متنفر تھے۔ کہ [illegible] طلب کے

کبھی بھی لاہور میں نہیں آتے تھے۔ لیکن اُن کے مخالفون کو یہ کب منظور ہو سکتا تھا کہ بدعملی اور سازشون کی جو آگ لاہور میں لگی ہوئی تھی اونکی جان و مال تو اوس کے جہانسوز شعلون سے جل جل کر خاک سیاہ ہوتے جائیں۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ جمّون میں الگ بیٹھے ہوئے امن چین کی زندگی بسر کریں۔ اور اُن کو ذرہ سی آنچ بھی نہ لگے۔

سب سے پہلے مہاراجہ مذکور کی تخریب کا خواہان خاص اُن کا بھتیجا راجہ ہیراسنگھ ہی ہوا۔ جو اپنے باپ کی ہلاکت کے بعد خالصہ حکومت کا وزیر بن گیا تھا۔

سنہ ۱۸۴۴ء مطابق سنہ ۱۹۰۱ بکرمی میں اُس نے جسطرح سے جمّون پر حملہ کرنے کیلئے ایک فوج عظیم بھیجی۔ اور جن ترکیبون سے بہادر اور دانا مہاراجہ نے جمون کا بال بھی بیکا نہونے دیا۔ اور فوج کے اس سیلاب عظیم کو سوائے کسی قسم کا نقصان پہونچانیکے رفع دفعہ کر دیا۔ اُسکا مفصل حال میان سوہن سنگھ کے مارے جانے کے باب میں درج ہو چکا ہے۔

راجہ ہیراسنگھ کی ہلاکت کے بعد جمّون پر ایکدفعہ پھر حملہ ہوا۔ یہ چڑھائی راجہ ہیراسنگھ مقتول کے جانشین سردار جواہر سنگھ کے حکم سے ہوئی تھی جو مہاراجہ دلیپ سنگھ کا ماموں تھا۔ یہ مہم جو سابقہ فوجی مہم کی نسبت تعداد میں بھی زیادہ اور نقصان رسانی میں بھی زیادہ خطرناک تھی۔ ذیر کمان سرداران۔ شام سنگھ اٹاری والا۔ میوہ سنگھ مجیٹھیا۔ فتح سنگھ مان اور سلطان محمد ٹوانے کے حملہ آور ہوئی تھی۔

اور یہ چڑھائی اسواسطے کی گئی تھی کہ مہاراجہ گلاب سنگھ سے اُن کے دونون بھائیون اور راجہ ہیراسنگھ کی تمام جایداد منقولہ اور غیر منقولہ وصول کیجائے اور اون سے تین کروڑ روپیہ کا جرمانہ بھی لیا جاوے۔

[illegible] کہ مہاراجہ گلاب سنگھ بخوبی جانتے تھے کہ وہ اس مٹھی جل

فوج کا مقابلہ کسی طرح سے نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اُنہون نے ایک سخت مقابلہ کی تیاری کی۔ اور ڈوگرہ لوگ اپنے حملہ آورون کے ساتھہ جنہون نے پہلے دن ہی نہایت تیزی سے دہاوا بولدیا تھا ایسے جان توڑ کر لڑے کہ سردار فتح سنگھ مان جوکہ ایک نہایت ہر دلعزیز اور بہادر سردار اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقت کا ایک آزمودہ کار سپاہی تھا۔ مارا گیا۔

سردار فتح سنگھ مان کے مارے جانے سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو خوف ہوا کہ اب سکھ لوگ جوش مین آکر اپنے ہر دلعزیز سردار کی موت کا بدلا لئے بغیر جمون سے ہرگز واپس نہ ہونگے۔ اور یہ اندیشہ اُن کے دل مین ایسا جانشین ہوا کہ جمون کو بچانے کے خیال سے وہ اپنی جان سے لاپرواہ ہو کر بیدھڑک سکھون کی فوج مین چلے گئے۔ جہان اُنہون نے سردار فتح سنگھ مان کو اپنا قدیم دوست اور لنگوٹیا یار بیان کر کے اُس کے مارے جانے کا سخت افسوس کیا۔ اور سرداران فوج اور پنچون کا مونہہ داد و دہش کی شیرینی سے میٹھا کر کے دشمنون کو بھی اپنا دوست بنا لیا۔ علاوہ ازین اونہون نے تین لاکھہ روپیہ ہاتھیون پر لادکر لاہور کو بھی روانہ کر دیا تاکہ اس روپیہ کے ساتھ لاہور کے مخالفون کا بھی مونہہ بند کر دیا جاوے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس طرح سے جو سونے اور چاندی کی ندیان چلائین اونہون نے کینہ ور سکھون کے زنگ آلودہ طبیعت کی میل کو دھو کر صاف کر دیا اور دولت کی آگ نے اونکے سنگین دل کو پگھلا کر موم بنا دیا۔ اس سورما اور تجربہ کار مہاراجہ نے جمون کو تو سکھون کے حملہ سے بچا لیا۔ لیکن خود ابھی خطرہ سے محفوظ نہیں تھا بلکہ حملہ آور اوسکو اپنے ساتھہ لاہور لیگئے جہان شہر کی دیوارون کے متصل پہونچنے پر وہ فیل سوار کیا گیا۔ وہ نہایت عزت کے ساتھہ مہاراجہ دلیپ سنگھ

کی والدہ اور نایب سلطنت رانی جندان کے پاس پہونچایا گیا۔ اس رانی نے اوسکو نقصان پھونچانیکی جگہ اُلٹا اُسکی عزت افزائی اور تواضع تکریم کرنی شروع کی۔ رانی جندان کو اسقدر مہربان پاکر مہاراجہ گلاب سنگہ نے اپنی بیگناہی کو مختصر طور پر اس عمدگی کے ساتھہ بیان کیا کہ اگر رانی موصوف کا بھائی سردار جواہر سنگھ مخالفت نہ کرتا۔ تو وہ مہاراجہ موصوف کو اپنا وزیر بنا لیتی۔

اس طرح سے مخالفت کی تلوار کی تیزی جو کہ مہاراجہ موصوف کے سر پر لٹک رہی تھی بالکل کند ہوگئی۔ تاہم سردار جواہر سنگہ نے اونکو تین چار ماہ تک لاہور میں ہی پڑے رہنے دیا جس عرصہ میں اُس نے اُن کو نہ صرف لون سیانی کے ٹھیکہ سے ہی سبکدوش کیا۔ بلکہ اُن سے ساٹھ لاکھہ روپیہ کے جرمانہ کی ادائگی کے علاوہ یہ بھی اقرار لے لیا کہ وہ راجگان دہیان سنگہ۔ سوچیت سنگہ اور ہیرا سنگہ کی جاگیرین بھی واپس کر دینگے۔

اس طرح سے جب مہاراجہ گلاب کا ہزارہ کے علاقہ میں ذرہ سا بھی رسوخ نہ رہا جو محض لون میانی کے ٹھیکہ سے تھا تو اونکو جمون چلے جانے کی اجازت ملی۔ اور وہ رخصت ہو گئے۔

اُس کے بعد سکہون کے دلون کی کدورتین دور ہو گیئن۔ اور سردار جواہر سنگہ مہاراجہ موصوف کے ایسے پکے دوست بن گئے کہ جب سنہ ۱۸۴۵ء مطابق سمت ۱۹۰۲ میں مہاراجہ دلیپ سنگہ کی شادی سردار چتر سنگہ اٹاری والے کی دختر کے ساتھ ہوئی۔ تو اس موقعہ پر وزیر جواہر سنگہ نے مہاراجہ گلاب سنگہ کو بھی مدعو کیا۔ جنہون نے اس دعوت کو منظور کر کے اپنی شمولیت سے شادی کے جلسون کی رونق کو دوبالا کر دیا۔

سکہون کی شکست اور مہاراجہ گلاب سنگہ کی مدار المہامی

سردار تیج سنگہ اور سردار لال سنگہ جو پیچھے سے راجے بنائے گئے تہے اُن کا خیال تہا۔ کہ جس بزدلانہ طریقہ سے اُنہون نے اپنی فوج کے گلے کٹوائے تھے۔ اور اوس کو تباہ کیا تہا۔ اُن کی اس حرکت سے حکام انگریزی خوش ہوکر اُنکے ساتہہ مہربانی کا سلوک کرینگے۔ لیکن نتیجہ برعکس نکلا۔ ہر دو سردارون نے دوران جنگ میں جدا جدا التجا کی تھی۔ کہ اُن کو گورنر جنرل صاحب کے ساتھ ملاقات کرنیکا موقعہ دیا جاوے۔ لیکن جواب اوسکے انکو برملا طور پر یہ ذہن نشین کرایا گیا تہا کہ جبتک انگریزی فوج لاہور میں داخل نہوگی۔ تب تک نہ کسی قسم کی مصالحت ہوگی۔ نہ کوئی نامہ و پیغام سنا جائیگا۔ اور نہ کسی کے ساتھ ملاقات کیجائیگی۔

اس کے بعد جب سبراؤن کے قریب آخیر جنگ میں کھیت انگریزون کے ہاتھ رہا اور سکہون کے کامل شکست کھانے کے بعد اس گھمسان کی لڑائی میں اونکے ایسے چھکے چھوٹے کہ بھاگ پڑنے پر سب اُس پل کی طرف دوڑے جسکو راجہ تیج سنگہ نے بدنیتی سے پہلے کٹوا دیا تہا۔ تو بعض تو دریا میں ڈوب مرے۔ اور بعض دشمن کی توپ اور بندوق کی خونخوار گولہ باری اور غضبناک آگ کی بارش سے کھیت رہے۔ جو سکھ دریا میں ڈوبے وہ اتنے زیادہ تہے کہ جب اُن کی لاشیں تیرنے لگیں۔ اوس وقت جہانتک نظر کام کرتی تھی دریا میں بجز لاشون کے اور کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔

ادہر انگریزی فوج نے فتح حاصل کرکے ستلج پر دوبارہ پل بنایا۔ جس

کیواسطے کشتیان بمبئی مین تیار ہو کر پہلے سے ہی منگوائی گئی تہین۔ پل کے تیار ہو جانے پر جو چند یوم میں ہی بن گیا تہا۔ فوج ظفر موج نے ۲۱۔ فروری سنہ ۱۹۴۶ء کو معہ گورنر جنرل کے لاہور پر چڑہائی کردی۔

اب رانی جندان اور راجہ لال سنگہ اور راجہ تیج سنگہ کی آنکھین کہُلین جنہون نے اپنی فوج کو حکم دیا تہا۔ کہ ستلج کے پار جاکر انگریزون کے ساتہہ جنگ کرکے ہندوستان کو فتح کرو۔ اور جنکا خیال تہا کہ اس طرح سے یا تو وہ انگریزون کو مغلوب کر لینگے۔ ورنہ اُن کی بدمست فوج کے تباہ ہو جانے پر وہ لاہور میں بیٹھکر دشمنون سے بیفکر ہو جاینگے اور امن چین سے خوب گلچھرے اُڑاینگے۔ بلکہ ہرجہاگردی کی خونریزیون اور مفسدہ پردازیون سے بھی نجات حاصل کرینگے۔

اب اُن کو معلوم ہوا کہ فوجی پنچون کی حکومت سے نجات حاصل کرنے کے بعد وہ انگریزی فوج کے قابو مین آرہے ہین۔ لیکن جو کہ قتل اور قوم کُشی اُنہون نے کی تہی۔ اب اوس کا علاج کیا ہو سکتا تہا۔ نہ تو انگریز ملاقات کا ہی موقعہ دیتے تھے۔ نہ کوئی نامہ و پیغام ہی سُنتے تھے اور نہ اونکی پیش قدمی کے روکنے کی ہی کسی کو جرات تہی۔ رانی جندان اور اوس کے دونون سردار سخت گہبرا گئے۔ رانی کو بہی اور اُس کے ان دونون یار غارون کو بہی جان کے لالے پڑ گئے۔

اس وقت لاہور میں سخت گہبراہٹ اور ہل چل تہی۔ اب رانی جندان کو معلوم ہو گیا کہ جن سردارون کا اُس کو بہروسا تہا۔ وہ سخت نالایق تھے۔ اور انگریزون کی نظرون میں اون کی کوئی عزت نہیں تہی۔ جب آنیوالی مصیبت کا رانی جندان یا اُس کے سردارون کو کوئی علاج نظر نہ آیا تو سب مہاراجہ گلاب سنگہ کے شرن آ گئے۔ خوف زدہ رانی نے اونکو لاہور میں طلب کیا۔ لیکن اُنہون نے یہ خیال کرکے کہ خود کردہ را علاجے

نیست - اور تمام خرابی رانی جندان نے خود کی تہی پہلے تو جانے سے انکار کر دیا۔

لیکن دوسری دفعہ کی طلبی پر رانی مذکور کے پاس چلے آئے - یہہ ۲۷ جنوری ۱۸۴۶ء مطابق سمت ۱۹۰۳ کی بات ہے - چند روز کے بعد یہان یہ وہ مدار المہام بنائے گئے - اور اون سے استدعا کی گئی - کہ کسیطرح انگریزون کے ساتھ صلح کرادی جائے -

اس موقعہ پر انگریزی فوج قصور میں پہونچ گئی تھی - اور یہان اُن کو مہاراجہ موصوف نے وزیر بنائے جانے کی اطلاع بہیجی - اور یہ بھی ظاہر کر دیا - کہ گو سکھون کی یہ سخت نادانی تھی - کہ انہون نے سرکار انگریزی کے ساتھ ناحق جنگ کر کے آبیل مجھکو مار کے مصداق بن گئے - لیکن میں امن پسند آدمی ہون - اور حتی المقدور لڑائی بھڑائی سے پرہیز کرنا چاہتا ہون اسواسطے میری کوشش ہوگی کہ سرکار انگریزی اور خالصہ سرکار میں پہر سابقہ اتحاد قایم ہو جاوے -

اس کا جواب مہاراجہ موصوف کو یہ ملا - کہ پہلے فوج کے بیڑے توڑ ڈالو اور پہر صلح صفائی کی بات چیت کرو - لیکن مہاراجہ مذکور مہاراجہ رنجیت سنگہ کے وقت کے ایک آزمودہ کار دیرینہ اہلکار تھے - وہ ایسے جہانسون مین کب آنے والے تھے - اُنہون نے فوج کے بیڑون کو توڑنے سے بدین الفاظ انکار کیا - کہ فوج سرکش ہو رہی ہے - اسوقت ان مین ہلچل پیدا کرنی ایک سخت خطرناک اور بیجا حرکت ہوگی -

ازان بعد مہاراجہ گلاب سنگہ کو دوبارہ یہ کسی نے نہیں کہا - کہ فوج کو ہٹا دو - بلکہ صلح صفائی کے نامہ و پیغام میں یہان تک ترقی ہوئی کہ گورنر جنرل بہادر نے قصور سے ہی ایک اعلان بدین مضمون جاری کیا - کہ ستلج کے جنگ میں سکھون کو شکست فاش مل چکی ہے -

بوجہ جس کے انگریزی فوج کو پنجاب میں داخل ہونیکا موقعہ ملا۔ اب صلح صفائی اوسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ کہ جب ایک تو معقول تاوان جنگ دینا منظور کیا جائے۔ اور دویم یہ یقین دلایا جائے کہ لاہور میں ایک ایسی اچھی حکومت قایم کیجائیگی۔ جو کہ آیندہ کیلئے اپنے افعال کی ذمہ وار قرار دی جائے۔

اس اعلان کی باضابطہ اطلاع مہاراجہ گلاب سنگھ کو بھی دی گئی تھی اور اُن کے ذہن نشین یہ بات بھی کی گئی تھی۔ کہ خالصہ دربار اس اعلان کا استفائیدہ اُٹھا سکتا ہے۔ ساتھ ہی اُن کو پھر بھی یقین دلایا گیا۔ کہ جب تک سکھ لوگ خود کسی قسم کا فتنہ و فساد نہ کرینگے۔ تب تک سرکار انگریزی اس اعلان پر قایم رہیگی۔

رانی جندان نے جب دیکھا کہ انگریزی حکام مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ خط و کتابت کرنے سے بھی انکار نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ اونکو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ تو اوس نے اس اعلان کو غنیمت سمجھا۔ اور اوس سے فوراً فائیدہ اُٹھانے کیواسطے مہاراجہ گلاب سنگھ کو پورا اختیار دیدیا۔ کہ وہ جسطرح اور جن شرائیط پر مناسب سمجھین انگریزون کے ساتھ صلح صفائی کرادیوین۔

بلکہ اوس نے اور اوس کے سردارون نے قسم کھا کر مہاراجہ گلاب سنگھ کو یقین دلایا کہ وہ سب مہاراجہ موصوف کے مشورے او تجاویز کے پابند رہینگے۔

ایسی حالت میں ۱۴ فروری سنہ ۱۹۴۶ کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے قصور میں لارڈ ہارڈنج سے ملاقات کی اور اس ملاقات میں اُن کے ساتھ دیوان دینا ناتھ۔ فقیر نورالدین اور سلطان محمد خان بھی شامل تھے اس ملاقات میں لارڈ ہارڈنج نے خالصہ دربار کے سردارون کو

ایسا فرمایا کہ وہ میجر ہنری لارنس صاحب پولٹیکل ایجنٹ اور کری صاحب چیف سکرٹری کے ساتھہ شرائط صلح کا فیصلہ کرلیوین۔

اسکے مطابق بعد کامل بحث و مباحثہ کے جانبین میں ایک عہدنامہ کا مسودہ مرتب ہوا جسکی شرائط حسب ذیل تھین۔

عہدنامہ ۱۴- فروری کی شرائط

(۱) جو علاقہ مابین دریائے ستلج اور بیاس کے واقعہ ہے وہ مع دریائے ستلج کے ہردو کناروں کے سرکار انگریزی کے حوالہ کیا جائیگا۔

(۲) سرکار انگریزی کو ڈیڑہ کروڑ روپیہ بطور تاوان جنگ کے ادا کیا جائیگا۔

(۳) موجودہ سکھوں کی فوج توڑ دی جائیگی۔ اور آیندہ کے لئے جو تعداد سرکار انگریزی مقرر کردیگی اوسی تعداد تک جدید فوج مقرر کیجائیگی۔

(۴) مہاراجہ دلیپ سنگہ کی مملکت کی حد و حدود اور اوس کے آیندہ انتظام کا فیصلہ لاہور میں کیا جائیگا۔

ان شرائط کے مرتب ہونے کے بعد یہ بھی فیصلہ ہوگیا تھا۔ کہ سکھوں نے انگریزوں کے ساتھ جو جنگ کیا تھا۔ مہاراجہ دلیپ سنگہ کو قصور میں آکر گورنر جنرل سے اُس کی معافی مانگنی ہوگی۔ چنانچہ ۱۸- فروری کو خورد سال مہاراجہ دلیپ سنگہ قصور میں تشریف لائے۔ اور اُن کے خاص سرداروں میں سے مہاراجہ گلاب سنگہ۔ بھائی رام سنگہ اور دیگر سردار بھی اُن کے ساتھ تھے۔ چنانچہ یہاں ...... مہاراجہ موصوف اور اُن کے سرداروں نے پہلے معافی مانگی اور بعد اُس کے عہدنامہ مجوزہ پر فریقین سے دستخط کئے۔

اس میں شک نہیں۔ کہ یہ عہدنامہ سکھوں کو ذلیل اور اون کے اقتدار اور

طاقت کو خاک میں ملانے والا تھا۔

لیکن ایک ایسے وقت میں جبکہ سکھ بالکل پامال ہو گئے تھے۔ اور فتحیاب انگریز قصور میں داخل ہو کر اب تلوار کے زور سے لاہور میں اپنی حکومت کا سکہ جمانا چاہتے تھے۔ نہ یہ ممکن تھا۔ کہ حکام انگریزی ان شرایط سے زیادہ نرم شرایط پر صلح کرتے۔ نہ سکھون میں اب یہ طاقت تھی کہ انگریزون کے آگے وہ اب کسیطرح کی چون و چرا کر سکتے۔ پس اس خیال کو دل میں آنے دینا کہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے یا تو بوجہ اپنی پولیٹکل ناتجربہ کاری کے یا کسی اور ذاتی قابلیتی نقص یا بدنیتی کے سکھون کے گلے میں ایسی خراب اور تباہ کرنے والی شرایط کا ہار دلوا دیا۔ سراسر خام خیالی اور کوتاہ اندیشی ہے۔ بلکہ پرمغز۔ زمانہ شناس اور آزمودہ کار اشخاص میں اگر کوئی خوبی ہوتی ہے۔ تو وہ یہ ہی ہے۔ کہ جب زمانہ کو ناموافق پاتے ہیں۔ تب نرم پڑ جاتے ہیں۔ اور جب بگڑے ہوئے کھیل سب بن جاتے ہیں۔ تب پھر مونچھون کو تاو دیتے ہیں۔

بہرحال مہاراجہ دلیپ سنگھ اور اون کے سردارون نے جو معافی مانگی۔ اور ان شرایط کو قبول اور منظور کیا۔ ان دونون باتون سے سرکار انگریزی اور خالصہ جی میں پھر اتحاد اور دوستی کا رابطہ قایم ہو گیا۔

۲۰ فروری کو نوعمر دسال مہاراجہ قصور سے لاہور کو واپس لوٹا۔ اور سرکار انگریزی کیطرف سے مسٹر کری چیف سکتر۔ میجر ایچ لارنس پولیٹکل افسر اور مسٹر سی ہارڈنج پرایویٹ سکرٹیری حضور گورنر جنرل بہادر لاہور تک اوس کے ہمراہ آئے۔ جہان جب مہاراجہ موصوف معہ مہاراجہ گلاب سنگھ قلعہ میں داخل ہوا تو انگریزی توپخانہ سے جو کہ گھوڑون کا توپخانہ تھا ۲۱ توپ کی سلامی سر ہوئی۔ یہ پہلے سے ہی قرار پا چکا تھا۔ کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کے داخلہ لاہور کے بعد ہی اوسی روز گورنر جنرل بہادر بھی

رونق افروز ہونگے۔ اس واسطے زمانہ شناس مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس بات کی بہت احتیاط کی کہ خالصہ فوج کا ایک حصہ تعدادی پچیس ہزار جو سبراون سے شکست کہا کر سیدھا لاہور کو آرہا تھا کسی قسم کی چہیڑ چہاڑ نہ کرنا پاوے۔

فوج کے اس حصہ کو مہاراجہ گلاب سنگہ نے تا صدور حکم ثانی سے راولپنڈی میں روک دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ جس سکھہ کے پاس کسی قسم کا ہتھیار ہو۔ وہ لاہور میں گشت نہ کرنا پاوے۔

بلکہ جہاں جہاں جو سکھہ سپاہی پہرہ پر مامور تھے۔ وہاں سے وہ بھی تبدیل کر دئے گئے۔ اور اونکی جگہ مسلمان اور نجومی سپاہی مقرر ہو گئے سکھوں نے مہاراجہ گلاب سنگہ کے ان احتیاطی احکام کی پوری پوری تعمیل کی۔ جس پر گورنر جنرل بہادر نے لاہور میں خیر و عافیت کے ساتھ داخل ہو کر عہد نامہ مذکور کو تصدیق فرمایا۔

اس عہد نامہ کی تکمیل ہونے کی ہی تاخیر تھی۔ کہ نے سمجھہ رانی جندان نے پھر سردار لال سنگہ کو اپنا وزیر بنا لیا۔ اور مہاراجہ گلاب سنگہ کی وزارت ایک ایسی زمانہ میں ختم ہو گئی۔ جبکہ صلح صفائی کے معاملات ابھی ادھوری حالت میں ہی پڑے ہوئے تھے۔ لیکن بیچاری رانی جندان کا بھی اس میں کیا قصور ہے۔ جو ایشور پرماتما کو منظور ہوتا ہے۔ ویسے ہی سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ خدا کی خواہش یہی تھی۔ کہ سکھوں کی سلطنت زیادہ مدت تک قایم نہ رہنا پاوے۔ اس واسطے اوس نے تمام سامان ویسے ہی پیدا کر دئے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملک کشمیر کا ملنا

تاریخ سے تو اس بات کا پتہ بالکل نہیں چلتا کہ ایک ایسے وقت میں

جبکہ صلح کرانے والے مہاراجہ گلاب سنگہ کو عہدہ وزارت سے برطرف کرنا سکہوں کی سلطنت کو بیخ و بنیاد سے اکہیڑ ڈالنے سے کسی طرح بھی کم نہ تہا۔ نادان اور متلون مزاج رانی جنداں نے مہاراجہ موصوف کی وزارت کا خاتمہ کر کے خالصہ حکومت کی جڑون میں کیون تیل دیا۔ لیکن ابھی ایسے آدمی ڈوگرون میں موجود ہین۔ جنکو کہ اوس زمانہ کی زندہ تاریخ کہنا چاہئے۔ ان کا بیان ہے کہ جب قصور میں مہاراجہ گلاب سنگہ تاوان جنگ کا ڈیڑہ کروڑ روپیہ دینا منظور کر آئے۔

تو لاہور میں پہونچکر انہوں نے دیکہا کہ خزانہ میں تو صرف پچاس لاکہہ روپیہ ہی موجود ہیں۔ اب اور ایک کروڑ روپیہ پیدا کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی۔

اس واسطے چندہ کی فہرست کہولی۔ اور ہر ایک خالصہ سردار اور اہلکار سے اپنی اپنی حیثیت اور حالت کے مطابق چندہ مانگا گیا۔ بلکہ سب سے پہلے چندہ دہندگان کی چوٹی مین اپنا ہی نام لکہا اور پانچ لاکہہ روپیہ خود دینا منظور کیا۔

سردار لال سنگہ جو کہ ایک نہایت تنگ دل اور سیاہ درون ہونے کے علاوہ مہاراجہ گلاب سنگہ کا دیرینہ دشمن بہی تہا۔ اور مہاراجہ موصوف کے وزیر بن جانے سے سخت پیچ و تاب میں ہی تہا۔ بلکہ یہ دیکہکر کہ صلح صفائی کرانے کی کامیابی کا سہرا بہی اون کے ہی سر پر باندہا گیا ہے دل ہی دل میں جل رہا تہا۔ جب اوس نے دیکہا کہ اب اوس کو ایک بہت بڑی رقم بطور چندہ کے دینی پڑیگی۔ تو اوسکے رشک اور بغض کی آگ اور بہی بہڑک اوٹہی۔ اس شخص کو خالصہ سلطنت کی بہبودی کا تو کچہ خیال تہا ہی نہین۔ صرف اپنے ہی حلوے منڈے سے کام رکہتا تہا۔ اس بات کا مطلق خیال نکیا کہ مہاراجہ گلاب سنگہ ملک اور قوم کی ڈبکون ڈبکون کرنے والی کشتی کو تباہی اور بربادی

کے دریا میں سے کس جوانمردی اور رومندی کے ساتھہ کنارے لگا رہے ہیں۔

فوراً سردار مذکور بگڑ گیا۔ رانی جنداں جسکو تمام خالصہ سلطنت کی نسبت سردار لعل سنگہ بہت پیارا تھا۔ تو پہلے سے ہی اوسکے قابو میں تھی۔ اب سردار مذکور نے اوس کے کان اور بھی بھرنے شروع کئے۔ اور اُس کو یہانتک ورغلایا۔ کہ مہاراجہ گلاب سنگہ ایکدن برٹش ریزیڈنٹ میجر ایچ لارنس کی ملاقات کو لدہیانہ میں تشریف لیگئے ہوئے تھے۔ پیچھے سے رانی مذکورہ نے سردار لال سنگہ کو وزیر بنوا ڈالا اور اس معاملہ کو ایسا پوشیدہ رکھا۔ کہ مہاراجہ موصوف کو بھی اسبات کا علم نہ ہونے دیا۔ البتہ میجر ایچ لارنس موصوف کو ایک چٹھی کے ذریعہ اطلاع دیدی۔ کہ نہ مہاراجہ گلاب سنگہ اب اوسکے وزیر ہیں نہ اُن کی کوئی بات اب قابل تسلیم ہوگی۔ لیکن یہ معاملہ پوشیدہ کس طرح رہ سکتا تھا۔ چٹھی کے پہونچنے کے بعد جب مہاراجہ گلاب سنگہ کی پھر میجر ایچ لارنس بہادر کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اور مہاراجہ موصوف نے حسب معمول ظاہر کیا۔ کہ تاوان جنگ کا روپیہ ادا کرنے کیواسطے چندہ کی فہرست کھولی گئی ہے۔ تو صاحب موصوف نے یہ خیال کرکے کہ مہاراجہ موصوف کو ابھی یہ معلوم نہیں۔ کہ وہ عہدہ وزارت سے برطرف کئے گئے ہیں۔ کسیقدر مسکرا کر مہاراجہ گلاب سنگہ کو کہا کہ جس رانی جنداں کی خدمت کا آپ دم بھر رہے ہیں۔ وہ اطلاع دیتی ہے۔ کہ اب آپ اوسکے وزیر نہیں ہیں۔ بلکہ وہ چٹھی بھی بجنسہ مہاراجہ موصوف کو دکھادی۔

جو صدمہ اس خبر کو دفعتاً سنکر مہاراجہ موصوف کو ہوا ہوگا۔ وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ لیکن واہ رے مہاراجہ گلاب سنگہ جو ہین

انہون نے یہ خبر سنی۔ فوراً اپنی ڈہال اور تلوار کہولکر میجر ہنری لارنس موصوف کے آگے فرش پر رکہدی۔ اور فرمانے لگے۔ کہ ایسی سلطنت کی وزارت کرنا جسکی عنان حکومت ایک متلون مزاج اور بدچلن عورت کے ہاتھ میں ہو۔ نادانی میں داخل ہے۔

رانی جنداں جس کو بالکل یہ خبر نہیں ہے۔ کہ اوسکی ذمہ واریان کیا ہیں۔ عیش وعشرت میں مصروف ہوکر ناز ونیاز کے گلچہرے اڑا رہی ہے۔ اور میں سلطنت کے قیام کی کوششون میں صلح وصفائی کی تدابیر میں لگا ہوا تہا۔ اور چاہتا تہا کہ سرکار انگریزی اور خالصہ حکومت میں پہر دوستانہ تعلقات پیدا ہو جاوین۔ چنانچہ دونون سلطنتون میں جس طرح سے انہون نے صلح وصفائی کرادی ہے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔ البتہ اگر رانی جنداں نے اپنی نادانی سے اس کی قدردانی نہیں کی۔ تو نہ سہی۔

لیکن امید ہے کہ آپ ضرور اس بات کا خیال رکہینگے اور میری خدمات کی قدردانی کرینگے۔ آپ نے یہ بہی فرمایا کہ اب تک جو فایدہ میں نے خالصہ حکومت کو بوجہ وزارت کے پہونچایا ہے۔ وہ میرا فرض تہا۔ لیکن شکر ہے۔ کہ اب اشترون کی مالا میرے گلے سے اوتر گئی۔ اور میں سبکدوش ہو گیا ہون۔ جو وقت میرا لاہور دربار کی خدمات کے انجام دہی میں خرچ ہوتا تہا۔ اچہا ہوا کہ وہ وقت آئندہ میں اپنی جمون کی ریاست کی بہبودی میں خرچ کرونگا۔ اب میرے تعلقات آپ کے ساتھہ بہ حیثیت ایک وزیر کے نہیں ہیں۔ البتہ میں جمون کا راجہ ہون۔ اسواسطے آئندہ میرے تعلقات آپ کے ساتھہ بہ حیثیت ایک ریاست کے رئیس کے رہینگے۔ جن کو میں نہایت وفاداری اور خیر اندیشی کے ساتھہ نباہونگا بشرطیکہ میری ریاست کو کسی قسم کا ضعف نہ پہنچے اور جو خدمات مینے

کی ہیں۔ اونکی قدردانی معقول طریقہ سے کیجاوے۔

سر ہنری لارنس اور اُس زمانہ کے دیگر انگریزی حکام کا پہلے سے ہی مہاراجہ گلاب سنگھ کی نسبت اچھا خیال تہا۔ وہ جانتے تھے کہ اونکا پنجاب سرحدی علاقہ اور کابل میں بہت رسوخ ہے۔ اور پنجاب کے روسا میں سے وہ نہایت زبردست اور منتظم رئیس ہیں۔ بلکہ اُن کو یہ بھی معلوم تھا۔ کہ مہاراجہ موصوف کی ڈوگرہ فوج بہت بہادر اور جنگی قواعد اور قابلیت میں اعلی درجہ کی مہارت رکھتی ہے۔ قطع نظر اسکے انگریزون کو خالصہ حکومت میں سے ایک لایق وزیر کا نکل جانا کیون برا معلوم ہوتا۔ اور وہ ایسی حالت کو جس سے سکھون کی سلطنت اور بہی کمزور ہو کر حصے بخرے کرنیکے لایق ہوجاتی۔ کیون روکتے۔

ان سب باتون کا مل جل کر سر ہنری لارنس کی طبیعت پر کچھ ایسا عمدہ اثر پڑا۔ کہ انہون نے مہاراجہ گلاب سنگہ کی بہت دلجوئی کی۔ اور رخصت کرنے سے پہلے اُن کے ساتھ وعدہ کیا۔ کہ جہانتک ممکن ہوگا اونکی خدمات کی قدر کرائی جائیگی۔

بعضے دیرینہ سال ڈوگرون کا اظہار ہے۔ کہ یہ تقریر مہاراجہ گلاب سنگہ کی خود لارڈ ہارڈنج کے ساتھ ہوئی تھی۔

بہر حال اس وقوعہ کے بعد مہاراجہ گلاب سنگہ تو ہردوار اور گیا جی کی جاترا کو چلے گئے۔ ادہر سر ہنری لارنس نے خالصہ دربار سے تاوان جنگ کا تقاضہ بہت سختی کے ساتھ کیا۔ جسپر پچاس لاکھ روپیہ تو ادا ہوگیا۔ مگر باقی ایک کروڑ روپیہ ادا کرنیکی سکھہ سردار کوئی سبیل پیدا نہ کر سکے۔

اب سر ہنری لارنس کو موقعہ ملگیا۔ ایک کروڑ روپیہ کے معاوضہ میں انہون نے دریائے راوی کے مغرب سے دریائے سندہ کے مشرقی کنارہ تک تمام پہاڑی علاقہ سکھون سے لیکر مہاراجہ گلاب سنگہ کو دینگی ٹہانی

جب مہاراجہ گلاب سنگھ تیرتہون کی جاترا سے لوٹے - اور اونکے جان نثار وزیر دیوان جوالا سہلے نے اونکو سنایا کہ انکو عنقریب ایک بہت بڑا علاقہ ملنے والا ہے - تو وہ جامہ میں پہولے ہوئے نہ سمائے - لیکن جب دیوان موصوف اور دیگر اہلکارون نے مفصل کیفیت سناکر یہ بہی کہا - کہ اس علاقہ کے معاوضہ ۷۵ لاکہہ روپیہ دینے پڑینگے - تو بہت گہبرائے - اور بولے کہ اتنی بڑی رقم کہان سے پیدا ہوگی -

دیوان جوالا سہائے صاحب اُن کی اس سراسیمگی کو دیکھکر ہنسے اور مسکراکر بولے - کہ مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے - آپکے ملازم روپیہ کی ادائگی کا بھی سب انتظام کرچکے ہیں -

یہ سنکر مہاراجہ موصوف کی دلجمعی ہوئی - اور سرہنری لارنس کا شکریہ ادا کرنیکواسطے اونکی ملاقات کو دوڑے - سرہنری لارنس موصوف نے اُن کو دیکھکر مبارکبادی دی اور فرمایا کہ گورنمنٹ ہند نے کچھہ تو آپکی خدمات کے صلہ میں اور کچھہ ۷۵ لاکہہ روپیہ کے معاوضہ جوکہ آپکو دو قسطون میں ادا کرنا ہوگا - دریائے راوی سے لیکر دریائے سندہ تک کل پہاڑی علاقہ دیدیا ہے - سکہون سے انگریزی حکام نے یہ علاقہ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کے عہد نامہ کے مطابق لے لیا تھا - جس کے مطابق گورنمنٹ ہند نے ایک تو ستلج اور راوی کے درمیان کا میدانی اور پہاڑی علاقہ سکہون سے لے لیا - اور دویم بیاس اور سندہ کے درمیان کے پہاڑی علاقہ پر بھی قبضہ کرلیا - جس میں کشمیر اور ہزارہ کا علاقہ بھی شامل تہا - اس کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ بہی ایک عہدنامہ ہوا جس کے مطابق اُن کو ایک کروڑ روپیہ کے معاوضہ راوی اور سندہ

کے درمیان کا تمام پہاڑی ملک معہ چمبہ اور کشمیر کے ملا۔ لیکن **لاہول** کا علاقہ اس عہدنامہ سے خارج رکھا گیا تھا۔

یہ عہدنامہ شہر امرتسر میں ۱۷- مارچ ۱۹۴۶ء کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے اُن کے گورنر جنرل بہادر سرہنری ہارڈنج صاحب بہادر کے تابع حکم اور زیر فرمان فریڈرک کری صاحب اور بریوٹ میجر ہنری منٹگمری لارنس صاحب بہادر نے تحریر کیا۔

ترجمہ عہدنامہ

(۱) انگریزی گورنمنٹ تمام وہ پہاڑی ملک معہ تمام علاقوں کے جو کہ دریائے سندہ کے مشرق میں اور دریائے راوی کے غرب میں ہے اور جو سرکار انگریزی کو دربار لاہور سے ضمن چہارم عہدنامہ مورخہ ۹ مارچ کے مطابق ملا ہے۔ علی الدوام کے واسطے مہاراجہ گلاب سنگھ اور اوس کی بطنی اولاد ذکور کے خودمختار قبضہ میں منتقل کرتی ہے۔

(۲) جو علاقہ اس عہدنامہ کی ضمن اول کے مطابق مہاراجہ گلاب سنگھ کو دیا گیا ہے۔ اوس کی مشرقی حد پیچھے سے ایک کمیشن کے ذریعہ مقرر کیجائیگی۔ جس کا ایک کمشنر مہاراجہ گلاب سنگھ کیطرف سے اور دوسرا کمشنر گورنمنٹ ہند کی طرف سے نامزد ہوگا۔ اس کے بعد پہلے پیمایش ہوگی۔ اور پھر ایک جدا معاہدہ کے ذریعہ حدبندی کیجائیگی۔

(۳) مذکورہ بالا ضمنات کے مطابق جو علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے وارثوں کو دیگیا ہے۔ بلحاظ اس کے مہاراجہ گلاب سنگھ نے ۷۵ لاکھ روپیہ نانک شاہی ادا کرنا ہوگا جسمیں سے وہ پچاس لاکھ روپیہ تو اس عہدنامہ کی تصدیق کے وقت ادا کردینگے۔ اور باقی

پچیس لاکھ روپیہ پہلے یا اول اکتوبر سنہ ۱۹۴۶ع تک دیدینگے۔

(۴) سوائے منظوری سرکار انگریزی کے مہاراجہ گلاب سنگھ کے ملک کی حدود کبھی بھی تبدیل نہیں کیجائینگین۔

(۵) مہاراجہ گلاب سنگہ اور دربار لاہور کے درمیان اگر کوئی نزاع پیدا ہو جائے۔ تو اوس کا فیصلہ مہاراجہ موصوف گورنمنٹ ہند کے سپرد کرینگے۔

(۶) مہاراجہ گلاب سنگہ اپنے ذمہ لیتے ہیں کہ اون کے علاقہ کے گرد و نواح میں اگر کوئی فساد پہوٹ پڑے۔ تو وہ اور اون کے وارث اپنی تمام فوج کو انگریزی فوج کی مدد کے لئے بہیجدینگے۔

(۷) مہاراجہ گلاب سنگہ عہد کرتے ہیں۔ کہ بلا منظوری گورنمنٹ ہند کے نہ رعایاے سرکار انگریزی میں سے کسی شخص کو اور نہ کسی یوروپین سلطنت کی یا امریکہ کی رعایا کے کسی شخص کو اپنی ملازمت میں رکھینگے۔

(۸) مہاراجہ گلاب سنگہ عہد کرتے ہیں۔ کہ لاہور دربار اور گورنمنٹ ہند کے درمیان ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۴۷ع کو جو معاہدہ ہوا ہے۔ اوس کی ضمنات ۵ و ۶ و ۷ کا وہ پورا پورا لحاظ رکھینگے۔

(۹) گورنمنٹ ہند مہاراجہ گلاب سنگہ کو اون کے کسی بیرونی دشمن کے برخلاف مدد دیوگی۔

(۱۰) مہاراجہ گلاب سنگہ گورنمنٹ ہند کی عظمت اور بزرگی کے اقرار میں سال بسال ایک گھوڑا۔ ۱۲ پشمینہ کی بکریان صحیح النسل۔ جسمیں سے ۶ نر اور ۶ مادہ ہونگے۔ اور تین جوڑے کشمیری دوشالون کے نذر کیا کرینگے۔

جب اس عہدنامہ پر مہاراجہ گلاب سنگہ نے خود اور گورنمنٹ ہند

کیطرف سے فریڈرک کری صاحب اور بریٹ میجر ہنری منٹگمری لارنس
صاحب بہادر نے دستخط کر دے۔ تو اوس کے بعد اوس پر لارڈ ہارڈنج
صاحب نے بھی اپنی مہر ثبت فرمائی۔

اس عہدنامہ کے لکھے جانے کے بموجب مہاراجہ گلاب سنگھ نے
انگریزون کو ۷۵ لاکھ روپیہ ادا کرنا منظور کر لیا۔ تو حکام انگریزی نے دربار لاہور
کو ہدایت کر دی کہ کشمیر اور دیگر معہودہ علاقے مہاراجہ موصوف کے
حوالے کر دیے جائین۔ لیکن دربار لاہور کی وزارت سردار لال سنگھ
کے ہاتھ مین تھی۔ جو کہ مہاراجہ موصوف کا دشمن جانی تھا۔ پس یہہ
کیونکر ممکن تھا۔ کہ مہاراجہ موصوف کو کشمیر کا ملک سوائے کسی ایسے
مقابلے کے مل جاتا جس کا کہ اوس کے چارج لینے والے جان نثار
اہلکارون کو گمان تک بھی نہ تھا۔

سردار لال سنگھ نے سرکار انگریزی کیطرف سے یہ حکم پا کر کہ ملک کشمیر وغیرہ
مہاراجہ گلاب سنگھ کے حوالے کر دیے جائین۔ بظاہر تو اس حکم کی
تعمیل کر دی۔ یعنے شیخ امام دین صوبہ کشمیر کو ظاہرداری سے تو یہ حکم لکھ
دیا۔ کہ ملک کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کے حوالے کر دو۔ لیکن اندرخانے
اُس نے شیخ مذکور کو اشارہ کر دیا کہ جو اہلکار مہاراجہ موصوف کیطرف سے
آوین۔ اُن کو چارج نہ دیا جاوے۔ اور جنگ کر کے مار ڈالے جاوین۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کو نہ سردار لال سنگھ کی اس بدنیتی کا علم تھا۔ اور نہ وہ
جانتے تھے۔ کہ اُن کے اہلکارون کو کشمیر مین کوئی مصیبت پیش آئیگی۔
اُنہون نے ایک چھوٹی سی مہم شیخ امام دین کے پاس کشمیر مین ملک کا
قبضہ حاصل کرنے کے واسطے بھیجدی۔

مہم مذکور جب کشمیر مین داخل ہوئی۔ تو شیخ امام دین نے بجائے اس کے
کہ اس مہم کو ملک حوالہ کر کے خود پنجاب کی راہ پکڑتا۔ مقامی فوج کو مقابلہ

کا حکم دیدیا۔

بیچارے تہکے ہوئے ڈوگرون کو اس مقابلہ کا خواب وخیال بھی نہ تھا دفعتاً ان پر دودہ گنگا کے کنارے پر شیخ امام دین کی فوج ٹوٹ پڑی۔ اور دونون فوجون میں ٹاکرہ ہوگیا۔ جس میں ڈوگرون کا سخت نقصان ہوا۔ بلکہ اون کا ایک لایق افسر وزیر لکہپت رائے بھی مارا گیا۔ جسکی سمادہ اسوقت بھی صاحب کمشنر بہادر بندوبست کے دفتر کے پاس موجود ہے۔

جو ڈوگرہ فوج اس تباہی سے بچ رہی۔ اُس کو پنڈت راجہ کاک صاحب در نے پناہ دی۔ اور رسد وغیرہ دینے سے اوسکی جان بچائی۔

مہاراجہ گلاب سنگہ کو جب خبر ملی۔ کہ شیخ امام دین نے اُس کی فوج کو کشمیر کا قبضہ دینے کی جگہ ملک عدم کی راہ بتادی ہے۔ تو اونہون نے گورنمنٹ ہند کے ریزیڈنٹ متعینہ لاہور کو خبر دی۔

بلکہ اس کی اصلیت دریافت کرنے کیواسطے خود دیوان جوالا سہائے بھی لاہور چلے گئے۔ گورنمنٹ ہند کے قایم مقام لاہور میں اسوقت میجر ہنری لارنس صاحب بہادر تہے۔ اُنہون نے اس وقوعہ کی تحقیقات ایک کمیشن کے سپُرد کی۔

اب سردار لال سنگہ اور رانی جندان کے بُرے دن آئے۔ اس کمیشن نے ان دونون کے برخلاف رپورٹ کردی۔ کہ ڈوگرون پر کشمیر میں جو مصیبت پیش آئی تھی۔ اوس میں نہ شیخ امام دین کا اور نہ مقامی فوج کا کوئی قصور تہا۔ بلکہ اس کے ایما کرنے والے خود سردار لال سنگہ صاحب اور اعانت کرنے والی خود رانی جندان تہی جس پر سردار لال سنگہ تو پکڑ کر بنارس میں اسیر سلطانی بنا کر بہیجا گیا اور رانی جندان کو اوس دن سے ڈیڑہ لاکہہ روپیہ سالانہ کی مقرری ملنے لگی۔ اور

ملک کی حکومت میں دخل دینے سے محروم کی گئی۔

جس کے بعد مہاراجہ گلاب سنگہ کو کشمیر کا قبضہ مل گیا۔ اور شیخ امام دین لاہور کو واپس چلا آیا۔

سنہ ۱۸۴۷ء کے شروع ہوتے۔ پہر مہاراجہ گلاب سنگہ سے چمبیہ کا ملک واپس لیا گیا۔ اور بجائے اُس کے اونکو بہندرواہ کا علاقہ ملگیا۔

مہاراجہ گلاب سنگہ کی وزارت کے بعد لاہور دربار کی ابتر حالت

مہاراجہ گلاب سنگہ جب لاہور دربار کی وزارت سے الگ ہو گئے تو انگریزی مدبرون کی چاندی ہو گئی۔ اون کو پنجاب کے الحاق کا موقعہ آسانی سے مل گیا۔ جو کام انہون نے برسون میں کرنا تھا۔ اب دنون میں ہونے لگا۔

۹ مارچ سنہ ۱۸۴۶ء کے عہدنامہ کے بعد مہاراجہ گلاب سنگہ کا جب دربار لاہور سے کوئی تعلق نہ رہا۔ تو سکہہ سردارون نے انگریزون سے استدعا کی۔ کہ لاہور کی حفاظت پر دس ہزار انگریزی فوج عرصہ ایک سال کے واسطے مقرر کیجائے۔

یہان دیر ہی کیا تہی۔ سرکار انگریزی نے فوراً دس ہزار فوج اس مطلب کیواسطے بہیجدی۔ اور جب اس فوج کے سبکدوش ہونے کا وقت نزدیک پہونچا۔ تو ۱۶ دسمبر سنہ ۱۸۴۶ء کو ۵۲ سکہہ سردارون نے ایک محضرنامہ کے ذریعہ گورنمنٹ ہند سے درخواست کی۔ کہ فوج مذکور ابہی واپس نہ طلب ہو۔ بلکہ اوس کی میعاد میں اور بہی آٹہ سال کا اضافہ کیا جاوے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جس روز سے دس ہزار انگریزی فوج لاہور میں داخل ہوئی۔ اوس روز سے عملی طور پر پنجاب کی حکومت انگریزون کے ہاتھ میں تبدیل ہو گئی — سکھ سردار سربسر بیدخل ہو گئے۔ اور خوردسال مہاراجہ دلیپ سنگھ کے نام سے سارے ملک کی حکومت گورنمنٹ ہند کا قایم مقام کرتا تھا جس کی بدولت تمام ملک میں انگریزی رعب وداب بخوبی قایم ہو گیا۔ اور سکھون کا اثر بالکل جاتا رہا۔

ریزیڈنٹ بہادر لاہور نے پہلے تو بیجا طور سے سردار لعل سنگھ کو بنارس میں دے مارا۔ پھر رانی جنداں کا اثر زایل کیا۔ جس کو پہلے تو اوس نے شیخوپورہ میں بھیجدیا۔ پھر فیروزپور میں رکھا۔ اور یہان سے بنارس کو روانہ کر دیا جہان سے وہ نیپال کو بھاگ گئی۔ بعد اوس کے معلوم نہیں۔ کہ نیپال میں اوس کا کیا حال ہوا۔

ان جلاوطنیون کے بعد چالباز اور مفتن لوگون کی چاندی ہو گئی۔ وہ عروج پکڑنے لگے۔ اور شرفا اور اچھے آدمی کس مپرسی کی حالت میں پڑ کر بیقدری کے شکار ہو گئے۔

کتاب پنجاب اِن پیس انڈوار مصنفہ مسٹر تھاربرن صاحب میں لکھا ہے۔ کہ خالصہ حکومت میں جس جس کا [illegible] سکھ سردار [illegible] تھا۔ ان سب کو انگریزی فوجی نوجوان گورون نے سبکدوش کیا۔ اور اسی طرح سے تمام ملک میں فوجی گورون کی ہی حکومت قایم ہو گئی۔ جن سکھ سردارون کی مہاراجہ رنجیت سنگھ بہت عزت کرتے تھے وہ معمولی حیثیت کے آدمیون کی طرح پکڑ پکڑ کر قیدخانون میں ڈالے گئے اور آخرکار بقول کتاب مذکور کے ایسے سامان پیدا ہو گئے۔ کہ سکھ لوگ گجرات کا جنگ کرنے پر مجبور ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب

کا الحاق ہوگیا۔ اور مہاراجہ دلیپ سنگہ جلاء وطن کر کے ولایت کو پہونچائے گئے۔

یہ سب نتیجہ مہاراجہ گلاب سنگہ کی علیحدگی کا تھا۔ اگر اُن سے لاہور کی وزارت نہ چھینی جاتی۔ تو یقیناً لاہور دربار کی یہ دُردشا نہوتی۔ بلکہ سکھون کی سلطنت بدستور قایم رہتی۔ اور پھر اپنا گم گشتہ عروج حاصل کر لیتی لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایشور کی خواہش یہ ہی تہی۔ کہ اس عظیم الشان سلطنت کی اینٹ سے اینٹ رانی جندان۔ سردار لعل سنگہ اور سردار تیج سنگہ کے ہاتھ سے بجائی جائے۔

کشمیر میں مہاراجہ گلاب سنگہ کی حکومت اور ذاتی قابلیت

مہاراجہ گلاب سنگہ اپنے جدید علاقہ کی اصلاح کرنے والے نہیں تہے۔ بلکہ بانی ریاست تہے۔ اور گویہ قیاس کرنا بہت مشکل تہا۔ کہ مہاراجہ موصوف ابتدا میں ہی اپنی ریاست کا کامل انتظام کر سکینگے۔ تاہم انہون نے اپنی چندروزہ حکومت کے عرصہ میں جو گیارہ برس سے زیادہ نہیں تہی۔ اُس زمانہ کے حالات اور رعایا کی ضرورتون کے مطابق وہ انتظام کیا۔ کہ باید و شاید۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہوگا۔ کہ جو امن و امان رعایا کو اون کے عہد حکومت میں حاصل ہوا۔ وہ پٹھانون اور سکھون کی اندھا دھند اور سکھا شاہی حکومت سے بدرجہا بہتر تہا۔ اور جو جرایم روز افزون ترقی پر تہے۔ اون کا مہاراجہ موصوف نے بخوبی انسداد کر دیا۔ اور اون کی حکومت میں

اس قسم کی چند ایک خوبیان بھی موجود تھیں۔ کہ جن کا دعوی بعضی یورپ اور امریکہ کی ترقی یافتہ حکومتیں بھی نہ پیچھے نہ اب کر سکتی ہیں۔

اب ایک صدی کی تباہ اور برباد کرنے والی حکومتون کے بعد لوگون کو اسقدر فراغت اور اطمینان حاصل ہوا۔ کہ سب اپنے کاروبار کی ترقی میں مصروف ہو گئے۔

اس مہاراجہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے ملکی انتظام کیواسطے شیرمال یا دیوان مال کا محکمہ قایم کیا۔ کل ریاست کی دو قسمیں بنائین ایک خاص جمون میں۔ اور دوسری کشمیر میں پھر کشمیر کے چار ضلعے بنائے جن کا نام ونڈ رکھا۔ اور ہر ایک ونڈ کی حکومت نو نو پرگنون پر قایم کی۔ اور فی پرگنہ ایک ایک کاردار مقرر کیا۔ کشمیر قدیم الایام سے ۳۶ پرگنون میں تقسیم ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اسی قدیم تقسیم کو پسند کیا تھا۔

اس انتظام کے مطابق زمیندار لوگ نمبردارون کے پاس مالیہ جمع کراتے تھے۔ اور نمبردار لوگ کاردارون کے ماتحت تھے۔ اور ان کاردارون کی نگرانی ونڈوالے کرتے تھے لیکن ونڈوالون کی حکومت براہ راست خود مہاراجہ صاحب کے ہاتھ میں تھی۔

مہاراجہ موصوف نے قلمرو جمون کو بھی اسیطرح سے ونڈون۔ اور پرگنون میں تقسیم کر ڈالا لیکن جمون کی ونڈون کی حکومت دیوان جوالا سہائے کے سپرد تھی۔ جو ادہر تو قلمرو جمون کے دیوان مال تھے۔ اور اودہر ریاست کے مدار المہام بھی تھے۔

زمیندارون سے مالیہ نقدی میں وصول نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ قدیم رواج کے مطابق عموماً دیدہ و دانستہ جنس کا حصہ اسواسطے لیا جاتا تھا۔ کہ غلہ کا انتظام سرکار کے ہاتھ میں رہے کیونکہ کشمیر

میں لوگون کو غلہ کی تجارت کے ساتھ چندان دلچسپی نہ تھی -

فراہمی غلہ کا طریقہ یہ تھا - کہ ہر ایک گانوں میں ترازودار مقرر تھے - جنکا کام غلہ کو تولنا تھا - حمال اور مرکب بان سرکاری حصہ کے غلہ کو جہان گھاٹ قریب ہوتا تھا - گھاٹ پر پہونچایا کرتے تھے - جہان گھاٹ نہیں ہوتے تھے - براہ راست ٹٹوون پر دیگر شہر سرینگر اور قصبون میں پہونچاتے تھے - جو غلہ گھاٹون پر پہونچتا تھا - وہ تول تول کر ہانجیون کی تحویل میں آتا تھا - ہانجی لوگ اوس کو بڑی بڑی کشتیون میں ڈالکر سرینگر میں پہونچاتے تھے -

خاص سرینگر اور دیگر قصبہ جات میں اس غلہ کے ذخیرے بڑے بڑے کوٹھون میں رکھے جاتے تھے - جن کی تعمیر اور مرمت سرکاری لاگت سے ہوتی تھی - اور ہر ایک کوٹھے کا تحویلدار افسر کوٹھہ یا کوٹھے والا یا ذخیرہ دار کہلاتا تہا -

اس تمام خرخشہ کا انتظام اور حساب وکتاب جسمین قلمرو کشمیر کے غلہ کا - ہانجیون - حمالون - مرکب بانون اور ترازودارون کا حساب کیا جاتا تہا - ایک محکمہ کے ماتحت تہا - جس کو محکمہ ڈول جنسی کہتے تھے -

محکمہ بندوبست تو اُس ابتدائی وقت میں ابھی قایم ہی نہیں ہوا تہا لیکن جو فرائض محکمہ بندوبست کے تھے - وہ بھی یہی کاردار لوگ ادا کرتے تھے - انکا دستور تہا - کہ سرکاری حصہ وصول کرنے سے پیشتر استادہ فصل کی تشخیص کرتے تھے -

مہاراجہ گلاب سنگہ صاحب بخوبی جانتے تھے - کہ غلہ بٹائی کا قدیم رواج نہایت خراب - مہنگا - طول وطویل - اور بے ڈہنگا ہے - اور نقدی مالیہ وصول کرنا بہت آسان اور سستا ہے - لیکن باوجود

اس کے ملک اور رعایا کی حالت کو مدنظر رکھکر اُنھون نے غلہ بٹائی کے قدیم انتظام کو بدلنا منظور نہیں کیا۔ بلکہ تمام فضول اخراجات اور خرخشہ کو اپنے ذمہ نہایت خوشی سے لیا۔ اور یہ پسند نہیں کیا۔ کہ اون کی رعایا چھوٹے چھوٹے غلہ بیچنے والون کی سختیون کا شکار ہوجاوے جو ہمیشہ غلہ کو قحط کے نرخون سے بھی زیادہ مہنگا کرنے کے عادی ہے۔ کشمیر کی چار وڈدون کے نام مراج۔ شہر خاص۔ کروہن بانگل۔ اور کامراج تھے۔ اور ابتدائی وڈ والے وزیر پنڈت راجہ کاک در میان امیر سنگہ۔ اور دیوان ارجن مل تھے۔

دوسرا محکمہ مہاراجہ موصوف نے بہ تقلید اکبر بادشاہ کے دفتر دیوانی بنایا تھا۔ تمام کاردار اور محکمہ جات اپنا اپنا حساب اسی محکمے مین بھیجتے تھے۔ کل ریاست کے حساب کی پڑتال اور نگرانی یہہ ہی محکمہ کرتا تہا۔ اور موجودہ محکمہ اکونٹنٹ جنرل کی نسبت یہ محکمہ بدرات نکالنے مین اور پڑتال کرنے مین کسی طرح سے بھی قواعد کا کم پابند نہ تھا بلکہ اُس زمانہ کے دفتری اور محاسب اور ہی قسم کے تھے۔ اسوجہ سے کہ اُن کا محکمہ ابتدائی حالت مین تھا۔ ان لوگون مین گو کیسے ہی نقص موجود تھے۔ تاہم حساب کی پڑتال مین وہ کسی ایسے اوچر یا دستاویز کو کبھی بھی منظور نہ کرتے تھے۔ جوکہ اون کی ذاتی پڑتال اور تحقیقات سے درست نہیں پائی جاتی تھی۔

تیسرا محکمہ مہاراجہ گلاب سنگہ کا دفتر نظامت تھا۔ اس مین دہ بدہ ریاست بھر کی اراضیات کا حساب رہتا تھا۔ اور مہاراجہ کو اس دفتر کے ذریعہ زمیندارون کی کل حالت معہ سلوک کے جو اُن کے ساتھ ہوتا تھا۔ بخوبی معلوم ہو جایا کرتا تھا۔ اُس زمانہ کا محکمہ بندوبست گویا یہ ہی محکمہ تہا۔

اس محکمہ کا دستور تہا کہ ہر ایک فصل کی موسم کے خاتمہ پر ہر ایک گانو میں پٹواری بہیجدے جاتے تھے۔ اور ایک کام ان پٹواریون کا یہ بہی تھا۔ کہ رسد۔ لکڑی۔ یا کوئی اور چیز جو کسی زمیندار سے کوئی کاروار یا اور شخص لیتا تھا۔ اُس کی مقدار وغیرہ کی مفصل تفصیل اور رپورٹ تیار کر کے یہ لوگ بہت جلد دفتر نظامت میں بہیجدیتے تھے۔ وہان سے یہ رپورٹین مہاراجہ کے پاس جاتی تہیں۔ اور وہ ان کو لفظ بہ لفظ سنا کرتے تھے۔ خفیف زیادتیون کو وہ درگذر کر جایا کرتے تھے۔ کیونکہ اُن کو بخوبی معلوم تھا۔ کہ دنیا میں دیانتدار کوئی شخص نہیں۔ البتہ کوئی زیادہ بد دیانت اور کوئی کم بد دیانت ہے۔ اور دیانتدار وہ ہی شخص گنا جاتا ہے۔ جو بمقابلہ زیادہ بد دیانت کے کم بد دیانت ہے۔ لیکن اگر اونکو معلوم ہو جاتا۔ کہ کسی زمیندار کے ساتھ زیادہ سخت گیری ہوئی ہے۔ تو اس قسم کی زیادتی کا وہ سخت نوٹس لیتے تھے اور اس کے مواخذہ کے لئے یہ لازمی نہیں تھا۔ کہ مظلوم زمیندار شکایت کرے۔ اور اپنی شکایت کی تائید میں ثبوت پیش کرے۔ بلکہ پٹواریون کی شکایتی رپورٹ کو دیکھ کر وہ خاموشی سے تحقیقات کیا کرتے تھے۔ اور اس خفیہ تحقیقات میں جسکا قصور نظر آتا تھا۔ اُس کو سخت سزا دیتے تھے۔ اور اسی تحقیقات کا اثر یہ تہا۔ کہ اون کے زمانہ میں رشوت خوری شاذ و نادر ہی ہوا کرتی تھی۔

کوٹوال اور تہانہ دار

اُن کے زمانہ میں یہ کسی کو بھی معلوم نہیں تہا۔ کہ پولس کس جانور کا نام ہے۔ جرائم پیشہ اشخاص کا قلع قمع کرنیکیواسطے مہاراجہ موصوف نے زمانہ قدیم کے ہندو مہاراجگان کیطرح کوٹوال اور تہانہ دار

مقرر کر رکھے تھے۔ اُن کے ذریعہ چور اُچکے۔ کہیسہ بر اور دیگر جرائم پیشہ اشخاص کا انتظام کیا جاتا تہا۔ گلوان لوگ جو کہ گہوڑے اور ٹٹوون کے عادی چور تھے۔ اُن دنون میں زورون پر تھے۔ اور تمام ملک میں دہ بدہ پہیلے ہوئے تھے۔ ان شیطانون نے مسروقہ مالون کی نقل و حرکت کیواسطے اڈّے بنا رکھے تھے۔ اور تمام ملک کو ان اڈون کے ماتحت تقسیم کر رکہا تھا۔ اور نتیجہ اس خفیہ انتظام کا یہ تھا۔ کہ جو گھوڑا یا ٹٹو ایک اڈے کے علاقہ میں سے چرایا جاتا تھا۔ اوسکو یہ لوگ فوراً ڈاک بہ ڈاک کسی دوردست اڈے میں بہیجدیتے تھے۔ بوجہ جس کے کشمیر کے گہوڑے گلگت۔ لداخ اور پہونچہ میں آسانی سے پہونچ جاتے تھے۔ اور بیچارے مالک کو نہ کسی طرح یہ خبر ہو سکتی تھی۔ کہ اوس کا یابو کہان ہے۔ اور نہ بجز صبر کے وہ اور کچہہ کر سکتا تھا۔

حق تو یہ ہے۔ کہ مہاراجہ موصوف نے بر سر حکومت ہوتے ہی ان بدمعاشون کا قافیہ اپنے کوٹوالون اور تہانہ دارون کے ذریعہ خوب تنگ کیا۔

کوٹوال اور تہانہ دار میں فرق یہ تھا۔ کہ شہرون اور قصبون میں جو رعایا کے محافظ مقرر کیجاتے تھے۔ وہ کوٹوال کہلاتے تھے اور جو محافظ بیرونجات میں مامور ہوتے تھے۔ اُن کو تہانہ دار کہتے تھے۔ اور فی پرگنہ علاوہ ایک کاردار کے ایک تہانہ دار بھی مقرر تہا۔

یہہ تہانہ دار صرف پولیس کا ہی کام نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اپنے علاقہ کے جج اور مجسٹریٹ بھی تھے۔ اور اس طرح سے ایک تو ہر ایک تہانہ دار اپنے علاقہ کے اختیار سماعت کی حدود کے اندر ہر ایک قسم کے دیوانی۔ فوجداری یا مال کے مقدمہ کا بھی فیصلہ

کرتا تھا۔ دوئم بیگاریون کی فراہمی بھی اس کے ذریعہ ہوتی تھی۔ علاوہ اس کے۔ لکڑی۔ غلہ۔ اور اسی قسم کی اور کوئی چیز جس کی سرکار کو ضرورت پڑتی تھی۔ اس تہانہ دار کے ذریعہ بہم پہونچائی جاتی تھی۔ اور تمام سرکاری امورات کی انجام دہی کا ذمہ دار یہہ ہی تہانہ دار تہا۔

خوبی اس انتظام میں یہ تھی۔ اول تو چوری چکاری وغیرہ جرائم ہونے ہی نہ تھے۔ اور کوئی چوری ہو بھی جاتی تھی۔ تو چور معہ مال مسروقہ کے فوراً گرفتار ہو جاتا تھا۔

ان کوٹوالون اور تہانہ دارون کی یہ عادت تھی۔ کہ اُن کے پاس کسی چوری کی جو رپورٹ آتی تھی۔ نہ اُس کو وہ جھوٹھی خیال کرتے تھے۔ اور نہ اُس کو جھوٹھی بنانیکی کوشش کرتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ جس طرح زمانہ حال کی شائستہ حکومت میں دنیا میں ایسے ملک بھی موجود ہیں۔ جہان اب لوگ جھوٹھی رپورٹیں لکھا دیتے ہیں۔ اُس زمانہ کے لوگ نہ اس قسم کی مکاری سے آلودہ تھے اور نہ جھوٹھے مقدمے بنانے کے عادی تھے۔ بلکہ یہ کوٹوال اور تہانہ دار بھی مال بازیافتہ میں اپنا کوئی حصہ قایم نہیں کرتے تھے۔ اور نہ حتی المقدور رشوت لیتے تھے۔ نہ کسی کو رشوت دیتے تھے۔ جیسا کہ اکثر نا ترقی یافتہ ملکون میں اسوقت کیا جاتا ہے۔

عام اصول ان کوٹوالون اور تہانہ دارون کا یہ تھا۔ کہ جوہین ان کو کسی واردات کی خبر ملتی تھی۔ وہین وہ اوس کا سراغ چلانے مین مصروف ہو جاتے تھے۔ اور جب تک چور کا پتہ نہیں لگ جاتا تھا۔ تب تک کسی طرح سے خاموش نہیں ہوتے تھے۔ وجہ اس مستعدی اور کامیابی کی یہ تھی۔ کہ جس اصول پر اکثر

ترقی یافتہ حکومتیں اُسوقت اپنے ملازمون کو بھرتی کرتی ہیں
مہاراجہ موصوف اس اصول کے مقلد نہ تھے ۔

زمانہ حال میں ملازمت کیواسطے بجز تعلیم کے کسی اور خوبی یا استحقاق کی ضرورت نہیں ہے ۔ اگر کوئی شخص جسکے خیالات بہت بُرے ہون ۔ کسی امتحان میں پاس ہوجاوے تو اوسکو فوراً ملازمت مل جائیگی ۔

یہ لازمی نہیں کہ اوسکو ملازم رکھنے سے پیشتر یہ تحقیق کیا جاوے کہ وہ دیانتدار ۔ ایماندار ۔ رحمدل ۔ اور خدا دوست ہے یا نہیں بلکہ اس قسم کی دیکھ بھال کرنیکا کوئی قاعدہ ہی مروج نہیں ہے ۔ جس وجہ سے ایک تعلیم یافتہ آدمی کو خواہ وہ اخلاقی کمزوریون کا پتلا ہی کیون نہو ۔ عموماً اور ہر حالت میں ایک رحم دل ۔ شریف ۔ خدادوست ۔ خاندانی اور نہایت مستحق شخص پر ترجیح دیجاتی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ مہاراجہ گلاب سنگھ بھی علم وہنر کے قدردان تھے ۔ لیکن وہ اپنی پرورش کا مستحق صرف اوسی عالم یا تعلیم یافتہ شخص کو سمجھتے تھے ۔ جس میں کہ مذکورہ بالا خوبیان بھی ہوتی تہیں ۔ ورنہ جن عالم شخصون میں بجز علمیت کے اور کوئی خوبی نہو ۔ اُن سے وہ ایک بیعلم نیک نیت شخص کو ہزار درجہ اچھا سمجھتے تھے ۔ حتے کہ ایک لکھے پڑھے بدشکل شخص کی جگہ بھی وہ ایک انپڑھ شکیل اور ڈیل ڈول والے آدمی کو اچھا جانتے تھے ۔ اور دلیل اون کی یہ تھی ۔ کہ بدشکل حاکم کا خلقت پر اچھا اثر نہیں پڑتا ہے ۔

یہ ایک اصول تھا جسکے مطابق وہ بلا لحاظ تعلیم کے اپنی ریاست کا ہر ایک عہدہ ایک شکیل خاندانی مستحق اور نیک

نیت شخص کو دیتے تھے۔ اور جن شخصون میں یہ خوبیان ہوتی تھیں وہ ضرور اپنے فرایض کو نیک نیتی اور مستعدی سے ادا کرتے تھے۔ اور زیادہ خوبی مہاراجہ موصوف کے انتظام کی یہ تھی۔ کہ ایک تو وہ ملازمت ہی اچھے آدمیون کو دیتے تھے۔ دویم وہ اُن کی کارروایون کی نگرانی بھی نہایت تیز اور گہری نگاہ سے کرتے تھے۔

یہ ہی باعث تھا۔ کہ مہاراجہ موصوف کے زمانہ کے اہلکار اپنا فرض عمدگی سے ادا کرتے تھے۔ اور بہت بارعب آدمی نظر آتے تھے۔ بوجہ جس کے رعایا اونکی عزت بھی بہت کرتی تھی۔ اور اُن کے احکام کی تعمیل بھی بخوبی کرتی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ تعلیم یافتہ لوگ اُس زمانہ میں بہت کم تھے۔ لیکن سچ تو یہ ہے۔ کہ اہلکارون کی تقرری کی نسبت مہاراجہ گلاب سنگھ کچھ کچھ انگریزی مورخ سوفٹ صاحب کے ہمخیال جیسے نظر آتے تھے جیسے اپنی نامی کتاب سفرنامہ گلاپور میں فرضی قوم للی پوٹین کے قوانین اور قواعد کے بیان میں طنزاً لکھا ہے کہ اس فرضی قوم کا عقیدہ ہے۔ کہ کوئی انسان کسی نہ کسی حکومت کی ماتحتی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسواسطے خدا نے حکومت کرنے کا مادہ ہر ایک آدمی کو بخشا ہوا ہے جسمیں راست بازی انصاف پسندی۔ اور اسی قسم کی اور خوبیون کی ضرورت ہے اور یہ خوبیان بھی کم و زیادہ ہر ایک آدمی میں موجود ہیں۔ جو البتہ تجربہ سے ترقی پذیر ہوجاتی ہیں۔ اُنکا یہ بھی خیال تھا۔ کہ حکومت کرنیکا مادہ کوئی ایسا راز سربستہ نہیں ہے جو کہ بجز ایسے نازک خیال اشخاص کے جن میں سے بمشکل تمام دو تین شخص ایک زمانہ میں

پیدا ہوتے ہیں۔ اور کسی شخص کو نہ آتا ہو۔

علاوہ ان اعلیٰ محکموں کے جو مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنے عہد حکومت میں قایم کئے تھے۔ اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے محکمہ جات اوس نے بنائے تھے۔ لیکن انمیں سے صرف خزانوں کا انتظام ہی ذکر کرنے کے لایق ہے۔

مہاراجہ موصوف کے عہد میں ایک ایک خزانچی ہر ایک پرگنہ میں مقرر تھا۔ پرگنہ کے خزانچی کا افسر جس کو صدر خزانچی سمجھنا چاہئے وڈیا ضلع میں موجود رہتا تھا۔ ان سب کا افسر گنیشا بہلوال تھا۔ جو اپنی دیانتداری کے باعث بہت مشہور و معروف تھا۔ اور ایک اعلیٰ درجہ کا رکن ریاست گنا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا محکمہ جات کے بعد یہ ذکر کرنا بھی خالی از دلچسپی نہیں ہے کہ مہاراجہ موصوف کے عہد میں انصاف کرنیکا کیا طریقہ تھا۔ اون کے عہد میں میعاد یا رسوم اشٹام کا تنازعہ کبھی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بلکہ نہ اُس زمانہ میں کوئی عدالت ابتدائی۔ نہ ماتحت نہ ہائیکورٹ اور نہ کوئی عدالت مطالبہ خفیفہ تھی۔ نہ کسی عدالت کا نام عدالت دیوانی نہ فوجداری۔ اور نہ مال یا جوڈیشل مال تھا نہ کوئی دیوانی۔ فوجداری نہ مال کا ضابطہ یا قانون تھا۔ نہ کسی وکیل کی ضرورت تھی۔ اور نہ کوئی شخص کسی بیرسٹر یا ایڈووکیٹ یا سرکاری وکیل کا ہی نام جانتا تھا۔ تاہم ہر ایک اہلکار جو کسی ذمہ واری کے عہدہ پر مقرر تھا۔ یا کوتوال یا تھانہ دار عدالت ابتدائی کا کام دیتا تھا۔ اور خود مہاراجہ صاحب بہادر اپیل کی عدالت تھے۔

گویا عدالت ابتدائی ہر ایک پرگنہ میں موجود تھی۔ اور اہل مقدمہ

کو ضرورت نہیں تھی۔ کہ انصاف کی تلاش میں ایک پرگنہ سے دوسرے پرگنہ کو جاتے۔

یہ اہلکار بلالحاظ دیوانی یا فوجداری مقدمات کے ہر ایک قسم کے مقدمہ میں انصاف کرنے کے ذمہ وار تھے۔

اون کی قانون کی کتابین جن کی کہ وہ پیروی کرتے تھے۔ یا تو اُن کے دل کی یہ خواہش تھی۔ کہ عام سمجھ کے مطابق ایسا عمدہ فیصلہ کیا جاوے۔ کہ جس میں کسی کو ناانصافی یا ظلم کی شکایت نہ رہے یا مہاراجہ صاحب کے حکم کی پابندی۔ اور یا ہندو دہرم شاستر اور شرع محمدی تھی۔

اور اون کا انصاف بھی اس واسطے تسلی بخش ہوتا تھا۔ کہ فریق ناراض کی رسائی فوراً مہاراجہ صاحب تک ہو جاتی تھی۔ اور اسطرح جب وہ شخص چاہتا تھا۔ اوسیوقت اپیل دایر کر دیتا تھا۔ اور اوسکا فیصلہ بھی اوسیوقت ہو جاتا تھا۔ اور چونکہ ہر ایک اہلکار کو یہ معلوم تھا کہ فریق ناراض کا خولہ مخواہ مہاراجہ صاحب کے حضور میں فریادی جانا اون کی بدنامی کا باعث ہوگا۔ اس واسطے یہ سب لوگ سوچ سمجھ کر انصاف کرتے تھے۔ اور جرایم اور بدامنی کے انسداد کو اپنا فرض عظیم سمجھتے تھے۔

یہ ایک ایسا طریقہ انصاف کرنیکا تھا۔ کہ جسمیں ایک ناتعلیم یافتہ یا ناخواندہ جج نالایق نہیں گنا جاتا تھا۔ بشرطیکہ اگر وہ کسی قسم کا بدنیت یا ظلم پسند نہیں تھا۔ اور تعلیم یافتہ جج کی کوئی زیادہ ضرورت نہیں خیال کی جاتی تھی۔ کیونکہ تمام فیصلے دل کے تختہ کاغذ پر زبان کی قلم سے لکھے جاتے تھے۔ بلحاظ ان زبانی فیصلون کے نہ کوئی مثل ہوتی تھی۔ اور نہ کسی کو کوئی نقل حکم لینے

کی ضرورت تھی۔ اور نہ کوئی شخص سال در سال پیشیا بھگتتا تھا۔ جو کچھ ہونا ہوتا تھا۔ آناً فاناً ہو جاتا تھا۔

اب یہ بھی سن لیجئے۔ کہ اپیل کسطرح ہوتا تھا۔ اور اپیلانٹ کا اس پر کیا خرچ آتا تھا۔ یون تو رسائی کرنا ہمارے موجودہ مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہ کے پاس بھی کچھ مشکل نہیں ہے۔ جو شخص چاہے ان کو مل سکتا ہے۔ لیکن ایک فریق مقدمہ کو بحیثیت ایک اپیلانٹ کے انصاف حاصل کرنے میں جو سہولتین تب تھیں وہ اب کہین بھی نہیں ہیں"

مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب کے اپیلانٹ کو صرف ضرورت یہ تھی کہ ایک روپیہ خام ہاتھ میں لیا۔ اور جہان مہاراجہ موصوف اجلاس فرماتے تھے۔ وہان چلا گیا۔ اور کسی ایسے موقعہ پر کھڑے ہو کر ہاتھ بلند کر دیا۔ کہ جہان سے مہاراجہ صاحب موصوف کو وہ نظر آ سکے مصروفیت مہاراجہ موصوف کی یہ ہوتی تھی۔ کہ رات کے ۱۱ بجے تک مشعلوں کی روشنی میں دربار لگا رہتا تھا۔ جونہین وہ دیکھتے تھے۔ کہ کوئی شخص فاصلہ پر اپنا ہاتھ بلند کئے کھڑا ہے۔ وہ فوراً جان لیتے تھے۔ کہ یہ شخص فریادی ہے۔ کچھ عرض کرنا چاہتا ہے اور چوبدار کو بھیجکر اوس کو اپنے حضور میں طلب کر لیتے تھے۔ جو پیش ہو کر وہ خام روپیہ جو موجودہ آٹھ آنہ کے مساوی تھا مہاراجہ موصوف کے ہاتھ پر رکھکر اپنی عرض کا سلسلہ شروع کر دیتا تھا۔ نتیجہ اس پیشی کا یہ ہوتا تھا۔ کہ جیسے مقدمہ کے حالات ہوتے تھے۔ اون کے مطابق یا تو اپیلانٹ کا انصاف ہمین دم برسر اجلاس فرما دیتے تھے۔ یا جس کاردار۔ کوتوال یا تھانہ دار کے فیصلہ کے برخلاف شکایت ہوتی تھی۔ اوسکی طلبی

اوسیوقت ہوکر رویداد کے مطابق فیصلہ کردیا جاتا تھا - اور اگر شکایت سچی ہوتی تھی - تو جس کاردار کے متعلق ہوتی تھی - اوس سے بازخواست کیجاتی تھی - کہ انصاف کرنے میں وہ کامیاب کیون نہیں ہوا -

اکثر دفعہ جب مہاراجہ صاحب دیکھتے تھے - کہ شکایت کسی ایسے دور دست پرگنہ کے متعلق ہے - جہان کا کاردار اجلاس میں جلد نہیں آسکتا - تو فریادی کو ایک چوبدار کے ذریعہ اوس کاردار کے پاس بدین حکم روانہ کردیتے تھے - کہ فریادی مذکور کا رضانامہ پیش کیا جاوے - مہاراجہ موصوف کو انصاف کرنیکا اتنا شوق تھا کہ کسی فریادی کو دیکھکر اپنے ہاتھی یا گھوڑے کو کھڑا کردیتے تھے اور اوس کی عرض سنتے تھے -

یہ کہنا بہت مشکل ہے - کہ زمانہ مذکور کے انصاف میں کوئی نقص نہیں تھا - البتہ یہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے - کہ اوس زمانہ کا انصاف بہت سستا - بہت سیدھا - بہت جلد بہت عملی اور بہت سچا تھا - اور اُس میں اور بھی کئی قسم کی خوبیان تہین مہذب دنیا کا انصاف اُن واقعات پر مبنی ہوتا ہے - جو کہ مثل میں ہوتے ہیں - لیکن عموماً اصلیت کچھہ اور ہوتی ہے - بڑی خوبی اُس زمانہ کے انصاف کی یہ تھی - کہ ایک گُندمغز شخص کو بھی تعلیم یا کسی قانونی کتاب یا امتحان کی ضرورت - اصلی انصاف کرنے کیواسطے نہیں پڑتی تھی - حالانکہ اس زمانہ میں صرف وہی شخص انصاف کرنے کے لایق ہوتا ہے - جو کہ یا تو کسی یونیورسٹی کا گریجویٹ یا بیرسٹر ہو -

ایک اور خوبی اوس زمانہ کے انصاف کی یہ تھی کہ ہر ایک کاردار

کچھ تو خدا کے خوف سے کچھ بدنامی سے بچنے کے لئے اور کچھ مہاراجہ صاحب کے ڈر سے اصلی انصاف کرنیکی کوشش کرتا تھا۔ حالانکہ اس زمانہ میں خدا کا خوف یا بدنامی کا ڈر تو جدا رہا۔ حکام بالا کی بھی کوئی پرواہ نہیں کیجاتی ہے۔ جس کا باعث یہ ہے کہ اگر کسی مجسٹریٹ کے فیصلہ کی اپیل منظور ہو جاتی ہے تو وہ بھی اور اوس کے حکام بالا بھی اوس کی غلطی کو اختلاف رائے سے منسوب کرتے ہیں۔

مثل دیگر مشرقی بادشاہوں کے معدلت گستری کے متعلق مہاراجہ موصوف کا عقیدہ یہ تھا۔ کہ وہ اپنی رعایا کے محافظ اور خدمتگذار تھے۔ اور جسقدر کہ ریاست کی آمدنی ہے۔ وہ بھی رعایا کا ہی سرمایہ ہے۔ اور رعایا کی ہی بہبودی اور رفع مشکلات کے واسطے جمع کیا جاتا ہے۔ اور اوسی کام میں لگایا جانا چاہیئے اور جو کچھ مہاراجہ صاحب موصوف اس عوام الناس کے سرمایہ میں سے اپنے ذاتی خرچ میں لاتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اسکے مستحق اُس حالت میں سمجھتے تھے۔ جبکہ اُن سے رعایا کی پرورش اور آرام رسانی کی خدمت بخوبی ادا ہو سکتی تھی۔ اس قسم کے خیالات کو پیش نظر رکھکر مہاراجہ موصوف معدلت گستری کو ایک معمولی فرض نہیں خیال کرتے تھے۔ بلکہ جان و مال کی حفاظت اور ریاست کی بہتری کا ذریعہ اسیکو سمجھتے تھے۔ اور ان خیالات کے مطابق اُن کے نزدیک سب سے زیادہ لایق اہلکار وہی شخص تھا۔ جو کہ جرایم کا اچھا انسداد کر سکتا تھا۔ اس باعث سے اون کے زمانہ میں جان و مال کی حفاظت مکمل تھی۔ اور جرایم کا انسداد اس حد تک پہونچا ہوا تھا۔ کہ

سر والٹر لارنس صاحب مورخ کشمیر ویلی کو اپنی کتاب میں لکھنے کا موقعہ ملا۔ کہ کشمیر میں سنگین جرایم کا ارتکاب بالکل نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اب وہ بات نہیں ہے۔ بلکہ برعکس سابقہ زمانہ کی نسبت جون جون شایستگی ترقی کرتی جاتی ہے۔ تون تون سنگین جرایم بھی دن دونی رات چوگنی ترقی کرتے ہین۔

مہاراجہ موصوف کا یہ بھی خیال تھا کہ ہر ایک آدمی کسی نہ کسی صورت یا حالت میں کچھ نہ کچھ اپنی کمائی میں سے محض اسواسطے سرکاری خزانہ کی نذر کرتا ہے۔ کہ اوس کی جان و مال کے امن میں خلل نہ آوے۔ اس واسطے کوئی شخص اپنے آپ کو امن کی حالت میں نہ سمجھے۔ اور فریادی ہو کر عدالت کیطرف رجوع لائے۔ تو اوس کو تسکین دینے کیواسطے یا اوس امن کے معاوضہ میں کہ جس کی قیمت وہ پہلے سے ہی ادا کرتا ہے۔ کورٹ فیس یا رسوم اسٹام کی صورت میں امن کی قیمت دوبارہ طلب کرنا انصاف میں داخل نہیں ہے۔

فوج کے انتظام کی طرف بھی مہاراجہ موصوف کی مصروفیت کچھ کم نہ تھی محکمہ جنگ جسمیں کہ نہایت محنت کش بہادر اور اچھی قواعد دان فوج شامل تھی۔ ایسے مشہور و معروف جنگ آزمودہ کرنیلون اور جرنیلون کے ماتحت تھی۔ جو کہ کسی جنگ میں کبھی پیٹھ دکھا کر نہیں آئے تھے۔ بلکہ اپنی فتح یابیون کیواسطے خاص شہرت رکھتے تھے۔

مہاراجہ موصوف کا قاعدہ تھا۔ کہ وہ ہمیشہ اپنی فوج کا۔ اُن کے جنگی اسلحہ کا اور اُن کے بسترون کا باقاعدہ طور پر مقررہ ایام میں ملاحظہ کیا کرتے تھے۔

اون کو جنگی سپاہیون کا یہان تک خیال تھا۔ کہ فوج میں سے اگر کوئی سپاہی بیمار ہوجاتا۔ تو اُس کی بیماری کی رپورٹ مہاراجہ موصوف کو فوراً ہو جاتی تھی۔ جس پر ایک سرکاری حکیم اُس کے علاج معالجے کیواسطے مقرر کیا جاتا تھا۔ اور تمام ادویات اوس کو سرکار کی لاگت سے مفت ملتی تھین۔ بلکہ دو سپاہی بھی اوس کی بیمارداری کیواسطے تعین ہوجاتے تھے۔ اور یہ دونون سپاہی عموماً وہی شخص ہوا کرتے تھے۔ جو کہ اوس کے ڈیرہ کے شریک ہوتے تھے۔ اور جب تک یہ دونون اپنے بیمار سپاہی کی خدمت کیا کرتے تھے۔ تب تک اونکی پہرہ چوکی معاف رہتی تھی۔ اور ایک حوالدار اس نگرانی کے واسطے مقرر کیا جاتا تھا۔ کہ وہ دیکھتا رہے۔ کہ بیمار کی بیمارداری دردمندی اور عمدگی سے ہو رہی ہے یا نہیں۔

زیادہ عجیب اور قابل ذکر یہ بات تھی۔ کہ بیمار سپاہیون کی خبر روزمرہ مہاراجہ صاحب موصوف کے پاس پہونچا کرتی تھی۔ اور جس سپاہی کا عارضہ خراب ہوتا تھا۔ یا جس کی بیماری طوالت پکڑ جاتی تھی۔ مہاراجہ موصوف اُس کی خبرگیری کے لئے خود تشریف لیجاکر اُس کا ملاحظہ ذاتی طور پر کیا کرتے تھے۔ اور اس طرح سے متواتر اوس کے پاس جاکر اپنے شفقت آمیز الفاظ سے اوسکی خوب دلجوئی کرتے تھے۔

مہاراجہ موصوف کے خاص اہلکار حسب ذیل تھے۔

ایمن اباد کے دیوان امیرچند صاحب اور اون کے لایق وفایق فرزند دیوان جوالا سہائے صاحب۔ نگروٹے کے وزیر رتنو صاحب اور اون کے نامی گرامی فرزند وزیر پنون صاحب۔ کشتوار کے وزیر لکھپت رائے صاحب۔ اور اُن کے مشہور و معروف

صاحبزادے وزیر زور آور صاحب۔ بہلوانٹے کے گنیشا صاحب جو خزانون کے افسر تھے۔ سیالکوٹ کے شیخ سوداگر صاحب جو پرلے درجہ کے ایماندار اور دیانتدار آدمی تھے۔ اور لاہور دربار کے جلاّ پنڈت کے خاندان میں سے پنڈت رام کشن صاحب جو کہ پکے جواہر شناس تھے۔ یہ سب اہلکار نہایت دور اندیش منتظم۔ ایماندار۔ کارگذار مستعد۔ نمک حلال۔ جان نثار اور مہاراجہ موصوف کے پسینے پر اپنا خون گرانے والے تھے اور اپنی خیر اندیشیون میں ایکدوسرے سے بڑھ چڑھکر تھے۔ ملکی انتظام کیواسطے ایسے باکمال شخصون کا چُن چُن کر جمع کرنا۔ اور فوج کی کمان ایسے جنگ آزمودہ اور لایق و فایق جرنیلون اور کرنیلون کے ہاتھ میں دینی۔ جو کہ بلحاظ بہادری اور دیگر سپاہیانہ خوبیون کے اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کا ہی کام تھا۔ صیغہ ملازمت کے متعلق مہاراجہ موصوف کی اور تین خوبیان بھی قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ اون کا قول تھا۔ کہ جس شخص کو عملی طور پر نمک نہ دیا جاوے۔ اوس کو نمکخوار خیال کرنا غلط ہے۔ بلکہ ایسا ملازم اگر نمک حرامی کرے تو تعجب نہیں۔ اون کا یہ خیال اون کے دل میں اس پختگی سے اثر پذیر تھا۔ کہ جس شخص کو وہ ملازم رکھتے تھے۔ اوسکو ملازمت کے پہلے دن اوس کے درجہ کے مطابق ایک نمک کا ڈلا ضرور دیا جاتا تھا اور حتے المقدور نمک کی ڈلی اوس کو دست مبارک سے بھی دی جاتی تھی۔ اور زبان سے ایسے باتین کہی جاتی تھیں۔ جس سے اوس ملازم کے دل میں نمک حلالی کا بیج ضرور بویا جاتا تھا۔ یہ ایک اصول تھا۔ جس سے مہاراجہ موصوف اپنے ملازم کے

تعلقات کو نہایت مضبوط کردیتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مشرقی لوگون کو جتنا نمک کا لحاظ ہوتا ہے۔ اتنا اور کسی چیز کا نہیں ہے۔ دوسری خوبی یہ تھی۔ کہ اون کی ریاست کے تمام ملازمون کو ایک ادنی چپراسی سے لیکر اول درجہ کے رکن ریاست تک رسدین ضرور ملتی تہین۔ ان کی مقدار۔ تعداد۔ اور عمدگی کا مدار ملازم کے درجہ پر تھا۔ جو اہلکار جتنا بڑا رتبہ والا ہوتا تھا۔ اوسکو تعداد اور مقدار مین اوتنی ہی زیادہ اور اتنی ہی بڑہیا مال کی رسدین بھی ملتی تہین۔ اور اسطرح سے اگرچہ اخیر درجہ کی رسد ایک تھی لیکن ایسے شخص بھی بہت تھے۔ جن کو پچاس پچاس اور سو سو رسدین ہر روز ملا کرتی تھین۔ تیسری خوبی یہ تھی۔ کہ جو شخص ایکدفعہ ملازم ہوجاتا تھا۔ اوس کا موقوف ہونا مہاراجہ گلاب سنگہ کے عہد مین ناممکن تھا۔ حتے کہ اگر کسی ملازم سے کوئی جرم بھی سرزد ہوجاتا تھا۔ تو اُس جرم کی پاداش مین وہ قید ضرور کیا جاتا تھا۔ لیکن رہائی حاصل کرنے کے بعد وہ پھر ویسا ہی ملازم خیال کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ قید ہونے سے پیشتر تھا۔ اور اگر سچ پوچھا جائے۔ تو مہاراجہ موصوف کے اس قسم کے سلوک مین اعلی درجے کی خوبیان ضرور بھری ہوئی تھین سزایاب ملازم ایک تجربہ کار ملازم ہوجاتا ہے۔ اور یہ امید کی جاسکتی ہے۔ کہ جو ملازم بوجہ جس جرم کے سزایافتہ ہوجاتا ہے۔ اگر اُس کے ارتکاب سے قطعی طور پر پرہیز نہیں کریگا۔ تو کم سے کم یہ تو ضرور کوشش کریگا۔ کہ وہ دوبارہ سزایاب نہو۔ یا کم سے کم ایک جدید ملازم کی نسبت وہ ضرور زیادہ احتیاط کریگا۔ پس ایسے تجربہ کار ملازم کو سزایابی کے بعد موقوف کردینے کی نسبت ملازم رکہنا زیادہ مفید ہے۔ دوئم جب ایک ملازم نے اپنے جرم کی سزا بہگت لی۔ تو یہ کہان کا انصاف

ہے - کہ اوس کو موقوف بھی کیا جاوے - کیا ایک جرم کے بدلے ایک سزا ملنی چاہئے یا دو سزائین - یہ ایک عجیب منطق ہے کہ ایک ملازم جرم تو کرے ایک - اور اوس کو سزائین دیجاوین دو - یعنے ایک تو وہ قید کیا جاوے - اور جب قید سے رہائی حاصل کرے تو موقوف بھی کیا جاوے -

مہاراجہ موصوف کے عہد مین کشمیری پنڈتون اور ڈوگرہ دن کے حقوق کی بہت قدر کیجاتی تھی - اور صیغہ ملازمت مین سب سے بڑا حق ریاست کے باشندون کا خیال کیا جاتا تھا - یہی وجہ تھی - کہ اُن کے عہد مبارک مین چپراسی - محرر - منشی - اہلمد وغیرہ چھوٹے بڑے اہلکار (بجز چند پردیسیون کے جو نہایت مستحق تھے) سب کے سب باشندہ ریاست تھے -

بلحاظ ملنساری کے مہاراجہ گلاب سنگہ کی عادت ایسی اچھی تھی - کہ اگر کوئی شخص کسی اتفاق سے اون کو کہین مل جاتا - تو اوس کے ساتھ ایک ایک گھنٹہ تک باتین کرتے - اگر یہ شخص اون کا واقف ہوتا تو اُس سے اون کے کل خاندان کی خیر و عافیت نام لے لے کر دریافت کرتے - اور اوس کے قبضہ مین جو درخت یا کوئی اور چیز یا مال مویشی قابل ذکر ہوتا - اُن کے حالات پر بھی نہایت دلچسپی سے بات چیت کرتے -

اگر اون کا ملاقاتی کوئی ناواقف شخص ہوتا - تاہم اُس سے پوچھہ لیتے تھے - کہ اوس کے والدین زندہ ہین - یا نہیں - یا وہ کسکا لڑکا ہے - اور کہان رہتا ہے - اور کیا کام کرتا ہے - یا اُس کے کتنے بھائی اور کتنے لڑکے ہین وغیرہ وغیرہ

مہاراجہ موصوف کو قصے کہانیان بھی خوب یاد تہین - اور اونکی

کوئی بات ظرافت سے خالی نہیں ہوتی تھی - حافظہ اور یادداشت ایسی عمدہ تھی - کہ جس شخص کو کبھی کہین صرف ایک دفعہ ہی دیکھا ہوتا برسون کے بعد اوس کو بھی برابر پہچان لیتے تھے - اور پہلی ملاقات کا بھی سب حال بتلا دیتے تھے -

مہاراجہ موصوف سنسکرت اچھی جانتے تھے - وہ پکے سناتن دہرم کے ہندو تھے - اپنا نت نیم اور پوجا پاٹھ اچھی طرح سے کرتے تھے - وہ برہمنون کی بھی اچھی عزت کرتے تھے - لیکن باوجود پکے ہندو ہونے کے دیگر اہل مذہب کے برخلاف بھی کسی قسم کا تعصب یا بیر بہاو نہیں رکھتے تھے - البتہ جو شخص ہندون سے نفرت کرتا تھا - اوس سے وہ بھی نفرت کرتے تھے -

مثل ایک سچے راجپوت کے وہ دوسہرہ بسنت پنچمی وغیرہ دربار نہایت شان وشوکت سے لگاتے تھے - اور انکوٹ کے دن اپنی رعایا کو بڑی بہاری ضیافت دیتے تھے - انکوٹ کی رسم گو اب بھی جاری ہے - لیکن اب اس مذہبی ہندو تہوار میں اس قدر تبدیلیان ہوگئی ہیں - کہ گویا اسکی اصلیت ہی گم ہوگئی ہے

مہاراجہ موصوف کو فقیرون اور بہیک مانگنے والون کا بھی بڑا خیال تھا - جب وہ ہوا خوری کو نکلا کرتے تھے - نقد وجنس کی خیرات کیا کرتے تھے - اور یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ کسی فقیر کا سوال خالی جاوے - کیونکہ مہاراجہ موصوف اپنے ساتھ دونی - چوآنی - اور آٹھ آنیان کثرت سے رکھتے تھے - اور اسیطرح سے ان کے ساتھ بیشمار براتین شالی کی لکھی ہوئی موجود ہوتی تہین - جن میں سے اکثر سیر - دوسیر - تین سیر شالی کی اور کوئی ترک - دو ترک - تین ترک وغیرہ کی اور بعضی خروار دو خروار شالی کی ہوتی تہین

اگر کوئی فقیر نقدی کا سوال کرتا۔ تو اوس کو چاندی کا سکہ مثل دوانی چوآنی کے مل جاتا تھا۔ جو جنس مانگتا تھا۔ اوس کو اُسکے نصیبون کے مطابق کوئی شالی کی برات دیدیتے تھے۔

کشمیر کے ملنے کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے حکام انگریزی سے ایکدفعہ وزیر آباد میں ملاقات کی۔ اوس کے بعد اپنی ریاست سے باہر کبھی بھی تشریف نہیں لئے گئے۔ البتہ جب کبھی ضرورت پڑی۔ اپنی حدود ریاست میں یا نیلی ٹمالی میں یا سوچیت گڈہ میں ملاقات کی۔ بلکہ وہ زیادہ ملاقاتون کے مشتاق ہی نہیں تھے۔ نہ اس قسم کی ملاقاتون کو مفید خیال فرماتے تھے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکومت کشمیر کے اخیر حصہ میں اون کا تنازعہ اپنے برادرزادہ راجہ جواہر سنگھ ولد راجہ دھیان سنگھ صاحب کے ساتھ برپا ہوا۔ کیفیت اس تنازعہ کی یہ ہے۔ کہ راجہ جواہر سنگھ نے کسی کی تحریک سے لاہور میں ایک درخواست حکام انگریزی کے پاس بدین مضمون پیش کی۔ کہ ریاست کے کوہستانی علاقہ میں سے زیادہ حصہ ملک کا اوس کے باپ راجہ دھیان سنگھ کا کچھہ حصہ اوس کے چچا راجہ سوچیت سنگھ کا تھا۔ اور کچھہ حصہ اوس کے بھائی راجہ ہیرا سنگھ کا تھا۔ درخواست مذکور میں یہ بھی درج تھا۔ کہ ان تمام علاقجات کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے ناجائز طور پر جبراً ہڑپ کر لیا ہے۔

یہ واقعات جتلا کر راجہ جواہر سنگھ نے استدعا یہ کی۔ کہ وہ اپنے باپ چچا اور بھائی کا وارث جائز ہے۔ اسواسطے مہاراجہ موصوف سے اوسکو یہ علاقہ واپس دلایا جاوے۔

یہ درخواست سر جان لارنس صاحب بہادر و مسٹر کری صاحب بہادر

اور مسٹر منٹگمری صاحب کی خدمت میں پیش کی تھی۔ تنازعہ یہ اسی قسم کا تھا۔ کہ حکام انگریزی اس پر توجہ فرماتے۔ اس واسطے حکام موصوف نے دخیل ہو کر مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ اس بارہ میں ایک عرصہ تک خط و کتابت کی جسکا جواب مہاراجہ گلاب سنگھ نے ابتدا میں کچھ بھی نہ دیا۔ لیکن اخر کار جب معاملہ بڑھتا گیا۔ تو مہاراجہ مذکور نے مقدمہ مذکور کی جواب دہی کے لئے دیوان جوالا سہاے اپنے وزیر اعظم کو لاہور بھیجا۔

وہ گورنمنٹ ہوس میں تشریف لے گئے۔ جمعدار نے خود رپورٹ کی۔ اندر جانے کی اجازت ہوئی۔ لیکن کوئی سکتر جیسا کہ دستور تھا۔ اُن کی پیشوائی کو نہ آیا۔ اونہوں نے باغ کی سیر کرنی شروع کردی جس پر حسب دستور عزت کے ساتھ جب اندر لیجائے گئے۔ تو اون کو حکم ہوا۔ کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو فہمایش کر کے راجہ جواہر سنگھ کا حصہ دلا دیا جاوے۔ لیکن دیوان جوالا سہاے ایسی نرم اسامی کہاں تھے۔ کہ ہاں میں ہاں بلا دیتے۔ ہر دو طرف سے بہت پولیٹیکل گفتگو ہوئی جسکے بعد دیوان جوالا سہاے سوائے متفق الراے ہونے کے اپنے ڈیرے کو چلے آئے اور معاملہ بہت طویل ہو گیا۔ لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ اس قسم کی دست اندازیوں کو کب ماننے والے تھے۔ جب حکام انگریزی نے دیکھا۔ کہ یہ دیوانی مقدمہ پولیٹیکل رنگت اختیار کرتا جاتا ہے تو فوراً مثل داخل دفتر کر دی گئی۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب کو خوش کرنے کیواسطے راجہ جواہر سنگھ کو انبالہ میں بہ حیثیت ایک اسیر سلطانی کے رکھا جہان سے راجہ صاحب موصوف

کو اور کہین بھی جانا نہ ملا۔ بلکہ جان بحق بھی وہان ہی ہوئے۔ مہاراجہ گلاب سنگہ کو مرض ذیابطیس تھا۔ جس کو انگریزی میں ڈائی بٹیز کہتے ہیں۔ آخرکار اس مرض نے زور پکڑا۔ اور جب مہاراجہ موصوف نے دیکھا۔ کہ اون کی عمر کا پیالہ دن بدن لب ریز ہوتا جاتا ہے۔ تو اپنی موت سے دو سال پیشتر مہاراجہ رنبیر سنگہ صاحب کو راج تلک لگا کر خود کشمیر کی سکونت اختیار کی۔ جہان آخرکار ٦٥ برس کی عمر بھوگ کر سمت ١٩١٤ بکرمی میں اس دنیائے دون کو لات مار کر راہی ملک بقا ہوئے۔

جس کے بعد نہ تو راج کاج کا عظیم الشان بوجھ اون کے سر پر رہا۔ نہ دونون بھائیون کی موت نے کچھ تکلیف دی۔ بلکہ اون دو بیٹون کا داغ جدائی بھی جو کہ لاہور کے پولٹیکل جنگون میں مارے گئے تھے۔ دور ہو گیا۔

حاسد مورخون نے مہاراجہ گلاب سنگہ کو بہت الزام لگائے ہیں۔ لیکن وہ ایک دہرم آتما آدمی تھے۔ اون کا ذاتی چال چلن قابل تقلید تھا۔ اون کا اخلاق۔ ملنساری کا طریقہ۔ محنت کشی کی عادت مستعدی۔ انصاف پسندی اور دیگر نیک خصلتین۔ عموماً ہر ایک فرقہ کے تاجدارون کے لئے۔ اور خصوصاً ہندو مہاراجگان کیواسطے نظیری خوبیان تہین۔ انکی طبعیت میں نمود اور نخوت بالکل نہین تھا۔ وہ فضول خرچی سے ہرچندیکہ اسقدر دور بھاگتے تھے کہ بعضون نے اون کو نہایت کنجوس سمجھ رکھا ہے۔ لیکن جب خرچ کرنے کا وقت آتا تھا۔ تو حاتم کو بھی مات کر دیتے تھے۔ وہ عیاشی کو کیا بہ حیثیت ایک انسان کے یا مہاراجہ کے گناہ عظیم سمجھتے تھے۔ اون کی بردباری۔ تحمل۔ نرمی۔ خوش اخلاقی

ظرافت ۔ اور شفقت آمیز ہمدردانہ حکومت کو دیکھکر اگر بجائے انسان کے دیوتا خیال کیا جائے ۔ تو مبالغہ نہیں ہے ۔

خود غرض لوگون کے خیال میں مہاراجہ گلاب سنگہ میں کوئی بھی خوبی نہیں تھی ۔ لیکن بوجہ خوش اخلاقی ۔ خدا پرستی ۔ رعایا نوازی کے وہ ڈوگرون میں فخر قوم خیال کیجاتے تھے ۔ اور رعایا میں اسقدر ہر دلعزیز تھے ۔ کہ اون کا نام اب بھی عزت سے لیا جاتا ہے ۔

لارنس صاحب مصنف کتاب وادی کشمیر نے اپنی کتاب میں جو تعریف اون کی بے لاگ طریقہ سے تحریر کی ہے ۔ وہ حسب ذیل ہے ۔

مہاراجہ گلاب سنگہ جو ڈوگرہ مہاراجگان میں سے پہلے مہاراجہ تھے ۔ نہایت دور اندیش ۔ مستقل مزاج اور باہمت شخص تھے ۔ سب سے پہلے اونہون نے کشمیر کو بمبون کی لوٹ مار سے بچانے کے لئے کوہ ڈناون کو محفوظ کیا ۔ جہان عموماً لوٹ مار ہوا کرتی تھی ۔ اور اوسکا انتظام یہ کیا ۔ کہ اوس کے گرد و نواح میں قلعے تعمیر کرئے ۔ اور کوہ نستاہن کو جو جرنیلی سڑک جاتی ہے ۔ اوسکی خوب حفاظت کی ۔

شیر احمد جو سات سال تک تکلیف پہونچاتا رہا ۔ اور جب مقابلہ کی تاب نہیں لاتا تھا کاہگان کو بھاگ جاتا تھا ۔ گرفتار ہو جانے پر مہاراجہ موصوف نے دیوسر میں اوس کو جاگیر دیکر بہت اچھا سلوک کیا حتےٰ کہ شیر احمد اوسی جاگیر میں مر بھی گیا ۔ وصولی مالیہ کا انتظام مہاراجہ موصوف نے اچھا کر رکھا تھا ۔

ایکدفعہ ایک پہاڑی پر سے جو مہاراجہ موصوف کی نظر وادی کشمیر پر پڑی ۔ تو فرمانے لگے کہ ایک حصہ ملک کا کوہستانی ہے ۔

دوسرا حصہ پانی سے لبالب ہے۔ اور رہا سہا حصہ جاگیردارون کے قبضہ میں ہے۔

لیکن انہون نے فوراً جاگیردارون کا عمدہ انتظام کیا۔ اور اپنی شبانروزہ محنت اور اہلکارون کی نگرانی سے تھوڑے عرصہ میں ہی خوب مالیہ وصول کرنے لگے۔ حتے کہ بعضون نے کہا ہے۔ کہ جو روپیہ مہاراجہ موصوف نے کشمیر کی خرید میں خرچ کیا تھا۔ وہ چند سال میں ہی وصول ہو گیا۔ لیکن یہ سراسر جھوٹ ہے۔

مہاراجہ گلاب سنگہ اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے۔ کہ مالیہ کا روپیہ خزانہ میں داخل ہو جاتا تھا۔ یا نہیں۔ وہ ناواجب اخراجات کے بھی دشمن تھے۔ اور جرائم اور ظلم کی روک تھام بھی انہون نے نہایت استقلال سے کی تھی۔ رعایا اور ملازم لوگ جس حد تک اون سے ڈرتے تھے۔ اوسی حد تک اون کی عزت بھی کرتے تھے۔ انہون نے اپنی رعایا اور ملازمین کو عملی طور پر دکھا دیا۔ کہ شخصی حکومت کس طرح درجہ کمال کو پہونچ سکتی ہے۔

مہاراجہ موصوف زیادہ کشمیر میں سکونت پذیر رہا کرتے تھے اور جس دور اندیشی۔ ہمدردی۔ منصف مزاجی سے رعایا پر حکومت کرنی شروع کی۔ اوس سے لوگون کی حالت روز بہ ترقی ہونے لگی۔ اور رعایا کے دل میں اُن کی حکومت کی دہاک بند گئی۔

وہ ایک دانا زمیندار اور سرکار انگریزی کے سچے دوست تھے ایام غدر میں انہون نے حق دوستی کا اچھی طرح ادا کیا۔

اون کی سمادہ دودہ گنگا کے کنارہ پر بنی ہوئی ہے۔

مذکورہ بالا تعریف مہاراجہ گلاب سنگہ کی بالکل سچی موزون اور مکمل فوٹو ہے۔ مسٹر لازنس صاحب نے بجا کہا ہے کہ مہاراجہ صاحب موصوف کے مرنے سے سرکار انگریزی کا ایک سچا دوست کہو یا گیا ہے۔ اور رعایا کے سر سے ایک رعایا پرور مہاراجہ کا سایہ اُٹھ گیا۔

ختم شُد

اشتہار

سالگرام پریس کی بکاؤ کتابیں

(۱) رنبیر ڈنڈ بدہی مشرح قیمت فی جلد .. .. عہ ۱ر۸
(۲) ضابطہ دیوانی مشرح قیمت فی جلد .. .. عہ
(۳) قانون رسوم اسٹام حصہ اول قیمت فیجلد ۴ر
(۴) قانون رسوم اسٹام حصہ دویم قیمت فیجلد ۶ر
(۵) قانون میعاد سماعت مشرح قیمت فی جلد ۶ر
(۶) قانون مطالبہ خفیفہ قیمت فی جلد ۴ر
(۷) قانون اجرا ڈگری مشرح قیمت فی جلد ۱۰ر
(۸) قانون رجسٹری مشرح قیمت فی جلد ۶ر
(۹) ہدایت مسٹر لارنس صاحب قیمت فیجلد ۳ر
(۱۰) ہدایت ترمیم بندوبست اسکردو قیمت فیجلد ۸ر
(۱۱) ہیمال کشمیری قیمت فی جلد ۴ر
(۱۲) زینخا کشمیری قیمت فی جلد ۲ر
(۱۳) جغرافیہ ریاست جموں و کشمیر قیمت فی جلد ۷ر
(۱۴) پہاڑے مع گر قیمت فیصدی ۸ر

المشتہر منیجر مطبع سالگرام پریس سرینگر